أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
فیضانِ چراغِ ہدایت
پیرِ کامِل صُورتِ ظِلِّ اِلٰہ
سخی سلطان سیّد چراغ شاہ بخاریؒ
کی سوانح حیات
اور تعلیمات پر مبنی روحانی خزانہ
نواءِ روح
خاکپائے مرشد

دیباچہ
فیضان چراغ ھدایت تعلیماتِ سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ

الْحَمْدُ لِلَّه ، ہم اس کتاب کے ذریعے ایک نیک اور پاکیزہ سفر کا آغاز کر رہے ہیں جس کا مقصد سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کی بے نظیر تعلیمات کو آپ تک پہنچانا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف روحانی بلندیوں کو چھونے کی کوشش ہے، بلکہ یہ ایک علمی اور معرفتی سرچشمہ بھی ہے جو ہمارے دلوں کو نور کی روشنی عطا کرے گا۔
سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کی زندگی اور تعلیمات ہمیں روحانی سکون مرشد کی رہنمائی اور اللہ کی قربت کی راہوں پر چلنے کی ہمت دیتی ہیں۔ اُن کی ہر تعلیم میں محبت بھائی چارہ اور انسانیت کی خدمت کا پیغام چھپا ہوا ہے۔ اُن کی رہنمائی میں ہم نے یہ سیکھا کہ اللہ کی رضا ہی اصل کامیابی ہے، اور اس کا حصول صرف مرشد کی ہدایات اور شریعت کے راستے پر چل کر ممکن ہے۔
یہ کتاب نہ صرف سید چراغ شاہ بخاریؒ کی

سوانح حیات اور تصوفی تجربات کا مجموعہ ہے، بلکہ اس میں ان کی تعلیمات، حکایات اور اصلاحی نصیحتیں بھی شامل ہیں جو ہر انسان کے لیے روحانی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ کتاب کا ہر باب آپ کو ایک نئی روشنی دکھائے گا، اور آپ کے دل و دماغ میں اس روشنی کو سمونے کی تحریک دے گا۔

فیضان چراغ "ہدایت کا مقصد صرف علم کا حصول نہیں ہے، بلکہ اس میں وہ عملی نصیحتیں اور راہنمائیاں بھی شامل ہیں جو ہمیں اپنی زندگیوں میں لانا ضروری ہیں تاکہ ہم اللہ کی رضا حاصل کر سکیں۔

اس کتاب کا ہر لفظ ہر جملہ اور ہر باب آپ کو سید چراغ شاہ بخاریؒ کی بے مثال محبت حکمت اور روحانیت کے قریب لے جائے گا۔ اللہ کی مدد سے، ہم اس کتاب کو آپ تک پہنچا کر اُن کی تعلیمات کا فیض آپ تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں اپنی ہدایت کی روشنی دے، اور ہم سب کو اپنے مرشد کے فیض سے بہرہ ور کرے آمین

خاکپائے مرشد

عرض ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

یہ عاجز و فقیر جو اپنے مرشد کریم سلطان العارفین سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ کرم کا ایک معمولی سا قطرہ ہے، اس کتاب فیضان" چراغ ہدایت کو اہلِ دل طالبانِ حق اور محبانِ اولیاء کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔
یہ کتاب صرف چند صفحات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک روحانی سفر ہے، جو قاری کو شریعت طریقت معرفت اور حقیقت کی طرف گامزن کرتا ہے۔
مرشد کریمؒ کی تعلیمات نہ صرف دل کو جِلا بخشتی ہیں بلکہ روح کو وہ سکون عطا کرتی ہیں جو دنیا کے شور میں کہیں کھو چکا ہے۔
یہ کلمات یہ حکایات یہ معرفت بھرے خزانے وہ چراغ ہیں جن کی روشنی ہر اُس دل کو منور کر

سکتی ہے جو اللہ کی تلاش میں ہے۔
میری یہ کوشش صرف ایک ذریعہ ہے۔ اصل محرک وہ عشق ہے جو ہمیں حضور نبی کریم ﷺ سے، اور اُن کے سچے عاشقوں یعنی اولیاء کاملین سے ہے۔

یہ کتاب اُن کے پیغام کو عام کرنے کی ادنٰی سی سعی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مقبول فرمائے اور ہر قاری کو فیض عطا فرمائے۔

آخر میں، میں اپنے مرشد کریمؒ کی بارگاہ میں عاجزانہ سلام پیش کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں:

یا سیّدی یہ سب کچھ آپ کی نسبت کا فیض ہے، میں کچھ بھی نہیں۔

خاکپائے مرشد

نعت سرکار ﷺ

خاک کو رفعت ملے بے بال و پَر کو پَر ملے
نعتِ پیغمبر ﷺ سے جب عرفانِ پیغمبر ﷺ ملے

شاہکارِ خالقِ ارض و سما ہیں مصطفیٰؐ
غیر ممکن ہے کوئی سرکارؐ کا ہمسر ملے

ھے عبث ساری عبادت عشقِ احمدؐ کے بغیر
جُز محمّد مصطفیٰ ﷺ راہِ خدا کیوں کر ملے

اس نظر میں فاصلے صدیوں کے بھی حائل نہیں
اپنے درویشوں سے وہؐ ہر دور میں آ کر ملے

دیکھیے حسنِ سلوک رحمۃ للعالمینؐ
پھول برسائے جہاں سے، آپؐ کو پتھر ملے

دم بدم رہتی ہے یہ ، کیفیتِ یاد نبیؐ
جام ہر لمحہ بدست ساقی کوثرؐ ملے

یوں تو کوئی بھی نبی واصف کسی سے کم نہیں
خوش نصیبی ہے ہمیں اللہ کے دلبر ملے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوانح حیات و ملفوظات

آفتابِ چراغِ ولایت سخی سلطان
سید چراغ شاہ بخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ

نسب اور ابتدائی زندگی:

سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ 1930ء میں موضع چاہان امیر شاہ (موجودہ بستی چراغ شاہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ حسنیؒ و حسینیؒ سید ہیں، یعنی نسب مبارک حضور سیدنا امام حسن اور امام حسین رضی اللّٰہ عنہما دونوں سے جاملتا ہے۔ والدِ گرامی سید سردار شاہ بخاریؒ اور والدہ ماجدہ ولیۂ کاملہ تھیں۔ آپ کے والد کا وصال بچپن میں ہی ہو گیا، چنانچہ آپ کی پرورش ایک روحانی ماحول میں، والدہ ماجدہ کی دعاؤں اور تربیت کے سائے میں ہوئی۔ آپ کے گھرانے کو ادب و معرفت کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔

روحانی سفر کا آغاز:
بچپن سے ہی آپ کا رجحان دنیاوی کھیلوں کی بجائے عبادت، ذکر، اور تنہائی کی طرف تھا۔ آپؒ کے چہرے سے نور ظاہر ہوتا، نگاہوں میں گہرائی ہوتی، اور گفتگو میں تاثیر۔ ابتدائی عمر میں ہی آپ نے خواجہ غلام فریدؒ کوٹ مٹھن کی تعلیمات سے عشق کرنا شروع کر دیا۔ بعد میں آپؒ نے پیر سید وزیر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ لڈن کے ساتھ وقت گزارا، جو کامل ولی اللہ تھے۔اور خواجہ محمد یار فریدی رحمۃ اللہ علیہ گڑھی اختیار خاں کے خلیفہ تھے سید پیر وزیر علی شاہ بخآری رحمتہ اللہ علیہ کے توسط سے سخی سلطان سید چراغ شاہ بخآری رحمتہ اللہ علیہ بھی خواجہ محمد یار فریدی رحمتہ اللہ علیہ گڑھی اختیار خاں سے بیعت اور فیضیاب ہوئے

پیرِ کامل کی استقامت
آپؒ کی حیاتِ طیبہ استقامت، فقر، اور عشقِ حق کا درخشاں مینار ہے۔
مرشد کریمؒ نے حق کے راستے پر چلتے ہوئے بے شمار آزمائشوں، دردناک تکالیف اور ظاہری تنگ دستیوں کا سامنا کیا، مگر کبھی بھی حق سے منہ

نہ موڑا نہ ہی آپ کے پائے استقامت میں ذرا سی بھی لغزش آئی۔
مالی حالات سازگار نہ تھے، لیکن دل وسیع تر آسمانوں سے جُڑے ہوئے تھے۔ اکثر اوقات فاقے کیے، مگر شکر کے چراغ ہمیشہ روشن رہے۔
سفر زیادہ تر بائسائیکل پر، یا پھر پیدل طے ہوتے مگر یہ سفر درحقیقت وصالِ حق کے زینے تھے۔
آپؒ کے چہرے پر نورِ رضا اور دل میں صبر کی روشنی تھی۔
آپ کے ہر قدم، ہر سانس، ہر خاموشی میں حق کی صدا گونجتی تھی۔
یہ وہی استقامت تھی جو عشق کو امر کرتی ہے، جو بندے کو "اللہ کا بندہ" بنا دیتی ہے

-

سید چراغ شاہ بخاریؒ کی زندگی درحقیقت ایک مسلسل قربانی اور عشقِ الٰہی کا عملی مظاہرہ تھی۔ وہ ہر لمحہ ہمیں یہ سبق دے رہے تھے کہ جو راہِ حق پر چل پڑے، اسے صرف اللہ کی رضا عزیز ہونی چاہیے – نہ دنیا کی چمک، نہ مال و دولت کی فریب کاری۔
آپ کے لیے نہ سخت گرمی کی دھوپ مانع بنی، نہ

جاڑوں کی یخ بستہ ہوائیں۔
نہ ہی قدموں کے چھالے، نہ خالی پیٹ کی بھوک،
نہ جسمانی تھکن —
بلکہ ہر رکاوٹ، ہر درد، ہر فاقہ ایک اور "شکر" بن
کر زبان پر آتا:
"الحمدللہ علٰی کلّ حال"
مرشد کریمؒ فرمایا کرتے تھے:
فقیر وہی ہے جو نفس کو روند دے، اور عشق وہی
جو منزل سے پہلے پلٹنے نہ دے۔
ہر قدم پر صبر کا تاج پہنے، عشق کا جام تھامے،
وہ اس دنیا کے شور سے الگ کسی اور ہی منزل
کے راہی تھے۔
بعض اوقات کئی دن تک پیٹ خالی رہا،
مگر دل معرفت کے لقموں سے سیراب رہتا۔
لب خاموش ہوتے، مگر باطن میں تسبیح چلتی
رہتی۔ ایسے مردانِ حق کا جینا، مرنا، چلنا، رُکنا...
سب اللہ کے لیے ہوتا ہے۔
ان کی خامشی میں بھی دعوتِ حق ہوتی ہے،
اور ان کے فاقے بھی عالمِ غیب سے رزق بانٹتے
ہیں۔

خلافت:
آپؒ نے اپنے روحانی سفر میں کئی اولیاء اللہ سے فیض حاصل کیا، ان میں نمایاں نام درج ذیل ہیں:
مڈ شریف
(تحصیل شور کوٹ، کنارۂ چناب): یہاں آپ نے سائیں عبدالرزاقؒ اور آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد یوسف قادری چشتیؒ کی خدمت میں کئی برس رہے بہت زیادہ فیض پایا۔اور خلافت کی سند حاصل کی
ہڑپہ شہر:
یہاں آپ صابری سلسلے کے عارف کامل خواجہ علی محمدؒ کی خدمت میں کئی کئی ماہ مسلسل رہے اور فیض و خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ خواجہ علی محمدؒ کا سلسلہ مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر پیاؒ سے ملتا ہے
یہ خلافت محض کاغذی سند نہ تھی، بلکہ ایک باطنی نور اور فیضان تھا جو آپ کے اندر موجزن ہو گیا۔
ولایت کی چمک:
آپ کی زندگی سادگی، عاجزی، سخاوت، محبت، اور حقیقی تصوف کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ آپ کی مجالس میں بیٹھنے والے لوگ بدل جاتے، دل

نرم ہو جاتے، آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید نوبہار شاہ بخاریؒ بھی عارفِ کامل تھے، اور آپ دونوں بھائیوں کا تعلق دنیا سے کم اور اللہ کی طرف زیادہ تھا۔

ازدواجی زندگی
سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شادی مبارک ملتان میں ایک نہایت دین دار قریش گھرانے میں ہوئی ۔آپ کی زوجہؒ مطہرہ صالحہ متقی اور اللہ والی پاکباز خاتون تھیں اگرچہ آپ کی ظاہری اولاد نہیں ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی روحانی اولاد عطا فرمائی جو آپ کے فیض کا سرچشمہ بن گئی۔

ملاقاتِ خاص – چشمِ کرم:
فیکٹری میں کام کے بعد، مجھے معمول کے مطابق کھانا کھانے کا خیال آیا۔ ذوالفقار کے ہوٹل سے کھانا کھایا اور باہر نکلا، تو کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اندرونی قوت مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ میں نے اپنی نظریں گھمائیں اور ایک بزرگ کو دیکھا جو کونے میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک کتاب "مکتوبات عشق"

پڑھ رہے تھے۔
میں چند قدم آگے بڑھا، لیکن دل میں ایک انجانی سی کمی کا احساس ہوا۔ جیسے کسی چیز کی کمی ہے، جو ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ دل میں ایک لہر اٹھی اور میں فوراً واپس ہو گیا۔ جیسے ہی میں بزرگ کے پاس پہنچا، میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور عرض کیا، "سرکار، کیا حال ہے؟" بزرگ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا، "تم مجھے جانتے ہو؟"
میں نے کہا، "بس اتنا کہ آپ اللہ کے بندے ہیں، یہ سن کر سرکار نے میری طرف غور سے دیکھا اور کہا، "تمہیں کیسے پتہ؟"
میں نے دل کی گہرائی سے کہا، "یہ جو کتاب آپ پڑھ رہے ہیں، یہ عام انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ اس میں چھپی ہوئی حقیقت وہی جان سکتے ہیں جو اللہ والے ہوں۔"
سرکارؒ نے اس بات پر مسکراتے ہوئے کہا، اور اس کتاب کے بارے میں کیسے جانتے ہو میں نے عرض کی سرکار حضرت بابا عبد الحکیمؒ کے ایک صاحب زادہ کے پاس چند دن رہا ہوں وہاں پڑھی تھی اچھا بتاؤ، تم کہاں سے ہو؟ اور یہاں کیا کرتے ہو؟"
میں نے کہا، "میں میاں چنوں سے آیا ہوں اور یہاں

فیکٹری میں کام کرتا ہوں۔"
سرکار نے کہا، "میں بھی میاں چنوں میں ہی رہتا ہوں۔ تمہاری چھٹی کب ہوتی ہے؟"
میں نے جواب دیا، "ساڑھے چار بجے۔"
انہوں نے فرمایا، "تو پھر ہم تمہارا انتظار کریں گے۔"
چھٹی کے بعد، میں وین میں سوار ہو کر واپس جا رہا تھا کہ اچانک ہوٹل کے سامنے وین کا ٹائر پھٹ گیا۔ میں باہر نکلا تو ، وہی روحانی شخصیت وہاں سامنے ہوٹل پر موجود تھے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا، "تم بھول کے جا رہے تھے؟"
میں نے کہا، "سرکار، ذہن سے نکل گیا تھا۔"
سرکار نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور اللہ کی باتیں، معرفت کی باتیں سنانے لگے۔ وہ میرے دل میں ایک ایسی محبت اور سکون کی کیفیت پیدا کر رہے تھے کہ لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔
پھر انہوں نے فرمایا، "آج رات میں واپس چلا جاؤں گا، اور یہ پیسے لے لو، یہ ایک میڈیسن کے لئے ہیں۔"
میں نے عرض کیا، "حضور، ابھی لے آتا ہوں۔"
لیکن سرکار نے کہا، "نہیں، جب واپس آؤ، تو یہ لے آنا۔" میں جب گاؤں اپنے گھر پہنچا، دل میں

وہی کشش اور آواز تھی جو مجھے سرکار کے
پاس لے آئی تھی۔ رات کو ان کے بتائے ہوئے پتہ پر
پہنچا اور قدم بوسی کے بعد، میڈیسن دی۔ سرکارؒ
نے مسکراتے ہوئے کہا، "میڈیسن صرف بہانہ تھا،
تجھے بلانے کا
میرے دل میں ایک سوال تھا، اور میں نے عرض
کیا، "سرکار، آپ نے مجھے کیوں بلایا؟"
وہ مسکرا کر فرمانے لگے"جو اللہ کی تلاش میں
ہو، اللہ اسے اپنے بندوں تک پہنچا دیتا ہے تاکہ اس
کی تربیت ہو سکے۔"
یہ سن کر میں حیران ہوا کیونکہ پچھلے دو
سالوں سے میں حقیقت کی تلاش میں تھا، لیکن
میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اس تک رسائی کیسے
ممکن ہے۔ میں نے یہ بات کبھی کسی سے شیئر
نہیں کی تھی۔
اس ملاقات نے میری زندگی کو ایک نئی سمت
دی، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے
اپنی رہنمائی سے نوازا۔ سرکارؒ کی یہ باتیں میرے
دل میں گھر کر گئیں، اور آج تک وہ لمحے میری
روح کی غذا بنے ہوئے ہیں۔
سید چراغ شاہ بخاریؒ سے پہلی ملاقات ایک
روحانی انقلاب تھی۔ اس دن جیسے وقت تھم گیا

ہو۔ میں جب پہلی بار سرکار کے در پر حاضر ہوا، تو نگاہِ اول ہی میں دل کانپ اٹھا۔ وہ نگاہ میرے باطن تک اُتر گئی۔
سرکار کی نگاہِ فیض نے مجھے بدل کر رکھ دیا۔ دل میں دنیا کی محبت ماند پڑ گئی، ذکر میں لذت، تنہائی میں حضوری اور خدمت میں سکون ملنے لگا۔

روحانی بیٹا:
آپؒ نے مجھے میرے والدین سے لے کر اپنا روحانی بیٹا بنایا۔

تجلیاتِ تصورِ مرشد
جب سالک سچے دل سے تصورِ مرشد کرتا ہے، تو اس پر ایسی روحانی کیفیات طاری ہوتی ہیں جنہیں الفاظ میں مکمل بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ کیفیات دراصل اس کے باطن کی آنکھ کھول دیتی ہیں، اور وہ مشاہدۂ حق کی ابتدائی جھلک پا لیتا ہے
۔ایک پیر بھائی(نور دل)تصور مرشد کے بارے اپنے مشاہدات بیان کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ
"میں جب تصور مرشد کرتا تو خوشبوؤں میں

گھر جاتا، آنکھوں کی پلکوں میں چراغ جل اٹھتے۔
کبھی بند آنکھوں سے آسمان پر ستارے نظر آتے،
کبھی چاندنی میں نہایا ہوا کوئی دلنشیں منظر،
کبھی نور کی بارش، کبھی حضور حق باہو سرکارؒ
کا مزار شریف، اور ہاتھ لگانے سے ہاتھوں سے
خوشبو آنے لگتی۔ کبھی گنبدِ خضریٰ نظر آتا۔ یہ
سب کچھ جاگتے ہوئے بند آنکھوں سے نظر آتا۔
جب میں تصورِ مرشد کرتا
تو کائنات کی فضا بدلنے لگتی
فضا میں مہک اترتی جیسے
عرش سے رحمتوں کی خوشبو آتی ہو
میری آنکھیں بند ہوتیں
مگر دل کی آنکھیں کھل جاتیں
پلکوں پر نور کے چراغ روشن ہو جاتے
اور عالمِ لاہوت کی روشنیاں میرے باطن میں
اترنے لگتیں
کبھی ایسا لگتا
میں ستاروں سے لپٹا ہوا ہوں
اور وہ مجھے ذکرِ مرشد میں جھوم جھوم کر
اپنے رازوں سے آشنا کر رہے ہیں
کبھی چاندنی رات میں
ایک نورانی پرچھائیں

میرے دل کی دہلیز پر آ کر بیٹھ جاتی
اور میں عشق میں بھیگا ہوا
اس کے جلوؤں سے اپنی روح کو دھوتا
کبھی ایسا ہوتا کہ میری روح کو
سخی سلطان باہوؒ کے قدموں میں جگہ مل جاتی
اور جیسے ہی ہاتھ اٹھاتا
میرے ہاتھوں سے مشک و عنبر کی خوشبو آنے
لگتی کبھی اچانک
گنبدِ خضریٰ نظر آنے لگتا
دل کانپنے لگتا، آنکھیں بھیگنے لگتیں
اور زبان بے اختیار درود میں ڈوب جاتی
یہ سب کچھ نہ نیند میں تھا، نہ خواب میں
یہ سچائی کا مشاہدہ تھا یہ فیضانِ مرشد تھا
جو جاگتے ہوئے آنکھوں کو بند کر کے روحانی
جہان کی سیر کرواتا مجھے مرشد کا تصور
عرش سے بھی قریب لے جاتا اور میں جان جاتا
کہ جو مرشد کے فیض میں ڈوب گیا وہ کبھی
محروم نہیں رہتا

آیاتِ قرآنی

1. وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُ

"اللہ سے ڈرو، اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا"

(سورۃ البقرۃ: 282)
یہ آیت باطنی علم کے عطا ہونے کا وعدہ ہے، جو اکثر مرشد کامل کے تصور سے قلب میں القاء ہوتا ہے۔
2. نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ يَهْدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُ ۚ
"نور پر نور، اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہے ہدایت دیتا ہے"
(سورۃ النور: 35)
یہی وہ تجلیاتِ نور ہیں جو تصورِ مرشد کے وقت عاشق کے قلب پر اترتی ہیں۔

احادیثِ نبوی ﷺ
1. "اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ، فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ"
"مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"
(ترمذی)
یہ حدیث ان روحانی مشاہدات کی حقیقت کو بیان کرتی ہے جو صاحبِ دل کو عطا ہوتے ہیں۔

2. "إِذَا أَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَادٰى جِبْرِيْلَ: إِنِّيْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ"

"جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل سے کہتا ہے کہ وہ بھی اس سے محبت کرے"
(صحیح بخاری)
اور یہ محبت کا جلوہ مرشد کے تصور میں ظاہر ہوتا ہے، جو رب کا محبوب ہوتا ہے۔

اقوالِ مشائخ و صوفیاء
1. حضرت سلطان باھوؒ:
"جو مرشد کی نظر کا اسرار پا لیتا ہے، وہ ظاہری آنکھ بند کر کے باطن سے دیکھتا ہے"

2. حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ:
"مرشد کامل کے تصور میں وہ قوت ہے، جو بندے کو معرفت کی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہے"

3. حضرت جنید بغدادیؒ:
"عارف وہ ہے جو ایک نظر میں عرش و فرش کی حقیقت کو پا لے، اور یہ نظر مرشد کے واسطے سے نصیب ہوتی ہے

"مرشد کریم کی محفل کا روحانی اثر"
مرشد کریم سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ
کی محفل میں بیٹھنا ایک ایسا روحانی تجربہ
تھا جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ آپؒ کی
صحبت میں ایک خاص تاثیر تھی، جو دل و دماغ
کو یکسر تبدیل کر دیتی ۔ آپ کے پاس بیٹھنے والا
ہر فرد خود کو غم و فکر سے آزاد محسوس کرتا،
جیسے دنیا کی ساری پریشانیاں لمحوں میں غائب
ہو گئی ہوں۔
آپؒ کی محفل میں شامل ہونے کے بعد، انسان کا
دل گہرے سکون میں ڈوب جاتا ، اور ذہن کی تمام
الجھنیں ایک طرف ہٹ جاتیں۔ جیسے ہی انسان
آپ کے قریب پہنچتا، ایک دلآویز خوشبو فضا میں
بکھر جاتی، جو نہ صرف جسم کو خوشبو سے
معطر کرتی، بلکہ روح کو بھی سکون اور طمأنیت
فراہم کرتی۔ یہ خوشبو نہ تو کسی مخصوص عطر
کی تھی، نہ کسی مادی دنیا کی ، بلکہ یہ روحانیت
کی خوشبو تھی، جو خود مرشد کی ذات سے
emanate ہوتی تھی۔
آپ کے ساتھ بیٹھنا ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے
آپ جنت کے حسین ترین گوشے میں ہوں، جہاں
ہر چیز امن، سکون اور محبت سے لبریز ہو۔ آپ

کی موجودگی میں دلوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا، اور انسان کی طبیعت ہلکی پھلکی ہو جاتی گویا، وہ ہر غم سے آزاد ہو کر، ایک نئی زندگی کی طرف قدم بڑھا رہا ہو۔

یادگار لمحے
جب آپ کی محفل میں بیٹھتے ، تو ایسا لگتا جیسے انسان خود کو ایک روحانی سفر پر روانہ پا رہا ہو، جہاں وہ اپنے آپ کو پُر سکون، پُر امن، اور پُر محبت محسوس کرتا۔

مرشد کریمؒ کی محفل میں بیٹھنا ایسا تھا جیسے انسان خود کو اللہ کی بارگاہ میں محسوس کرتا ہو۔ ہر لمحہ وہاں ایک خاص نور اور برکت سے معمور ہوتا، جس سے ہر دل روشن ہو جاتا اور دلوں کی تاریکی ختم ہو جاتی۔ آپ کی موجودگی میں گزرا ہر لمحہ ایک قیمتی تحفہ محسوس ہوتا ، جسے انسان ہمیشہ یاد رکھنا چاہتا ۔

"مرشد کریم کا عشقِ رسول ﷺ"
حضرت سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کی روحانیت کا اصل محور اور جوہر حضور نبی اکرم

ﷺ کی محبت تھا۔ آپ کی ہر بات، ہر حرکت، اور ہر عمل میں محبتِ رسول ﷺ کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ آپ کا دل ہمیشہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈوبا رہتا تھا، اور آپ کا ہر لمحہ اُنؑ کی یاد میں بسر ہوتا تھا۔

مرشد کریمؒ

ہمیشہ اپنے مریدین کو حضور ﷺ کے ذکر میں مشغول رکھتے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی وہ کلید ہے جس سے بندہ اپنی روح کو جِلا بخشتا ہے اور اللّٰہ کی رضا کا راستہ پاتا ہے۔ آپ کا یہ ایمان تھا کہ اگر کسی کا دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سرشار ہو، تو وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مرشد کریمؒ

جب بھی ذکرِ اللّٰہ و رسول ﷺ کی بات کرتے، تو ان کے چہرے پر ایک خاص نور ہوتا، گویا وہ خود حضور ﷺ کی محفل میں موجود ہوں۔ آپ کا ہر لفظ گویا ایک دریا تھا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کی گہرائیاں چھپی ہوئی تھیں۔ آپ

کی محبت کی گہرائیاں چھپی ہوئی تھیں۔ آپ
کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ درود و سلام کی
شکل اختیار کرتا تھا، اور ہر محفل میں اللہ اور
رسول ﷺ کا ذکر ہوتا تھا۔ مرشد کریمؒ کی زندگی
کا سب سے خوبصورت پہلو یہ تھا کہ آپ نے اپنی
روحانیت کو ہمیشہ حضور ﷺ کے اسوہ سے
منسلک کیا۔ آپ کا ہر عمل حضور ﷺ کی سنت
کی ایک جھلک تھا، آپؒ اپنے مریدین کو ہمیشہ
یہ سکھاتے کہ عشقِ رسول ﷺ کی حقیقت کو
پہچاننا اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنا ہی
انسان کی کامیابی کا راز ہے۔
آپؒ کا یہ فرمانا تھا کہ:
"جو بندہ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ڈوب جاتا
ہے، اس کا دل کبھی بھی اللہ کی رضا سے خالی
نہیں رہتا۔"آپؒ کی زندگی میں عشقِ رسول ﷺ
کی جو چمک تھی، وہ ہر مرید کے دل میں اجالا
کر دیتی تھی۔ ایک دن، لاہور میں جب آپ اپنے
مریدین کے ساتھ محفلِ ذکر میں مشغول تھے، تو
آپ نے فرمایا:
"محبتِ رسول ﷺ ہی وہ روشنی ہے جو دلوں
میں سکون اور چین لاتی ہے۔ جب تک انسان کا
دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بھرپور نہ ہو، وہ

دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بھرپور نہ ہو، وہ حقیقی سکون نہیں پا سکتا۔"
اس کے بعد آپ نے درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا اور محفل کو اللہ کی یاد میں محو کر دیا۔

مرشد کریمؒ کی زندگی کا ہر لمحہ حضور ﷺ کی محبت میں گم تھا۔ آپ کا دل ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے ذکر میں مشغول رہتا تھا اور آپ کی زبان سے نکلنے والی ہر دعا میں حضور ﷺ کے لیے درود و سلام شامل ہوتا تھا۔

اقوالِ چراغِ ولایت – ملفوظاتِ مبارکہ:

1. جو اللہ کا ہو جائے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔
2. فقیر کو دنیا کی چمک نہیں، دل کی صفا چاہیے۔
3. دل کا سفر جتنا خاموش ہوتا ہے، اتنا ہی مقبول ہوتا ہے۔
4. باطن کی آنکھ کھل جائے تو سارا عالم روشن ہو جاتا ہے۔
5. درود پاک ہر مشکل کا حل ہے۔

6. جو راتوں کو روتا ہے، وہ دن میں جگمگاتا ہے۔
7. علم وہی بہتر ہے جو دل کو بدل دے، ورنہ الفاظ کا ہجوم ہے۔
8. مرشد وہ نہیں جو فقط باتیں کرے، مرشد وہ ہے جو خاموشی میں بھی راہ دکھا دے۔
9. قبر میں نسب نہیں، عمل اور عشق کام آتا ہے۔
10. دلوں کو جوڑو، زبان سے نہیں، خدمت سے۔

11. اللہ کی رضا
جو شخص اللہ کی رضا کو مقدم رکھے، وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ کی رضا میں ہی ساری خوشیاں چھپی ہوتی ہیں۔"

12. صبر کی عظمت
صبر وہ نہ ہے کہ درد کو جھیل کر چپ رہا جائے، صبر وہ ہے کہ درد میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور دل میں یقین رکھا جائے کہ اللہ سے بہتر کوئی نہیں۔"

13. روحانی ترقی
روحانی ترقی کے لئے دنیا کی خواہشات کو دل سے نکالنا ضروری ہے۔ جب تمہارا دل اس سے آزاد

ہو جائے گا، تب تمہارے اندر حقیقتِ روح کا ادراک ہوگا۔

14. ذکرِ الٰہی
ذکرِ الٰہی وہ چراغ ہے جو دل کی ہر تاریکی کو روشنی میں بدل دیتا ہے۔"

15. مرید اور مرشد کا رشتہ
مرشد وہ نہیں جو صرف تمہیں راستہ دکھائے، بلکہ وہ ہے جو تمہارا دل بدل دے، اور تمہاری زندگی میں اللہ کی محبت کا رنگ بھر دے۔

16. فقر کی حقیقت
فقیر وہ نہیں جو مال و دولت سے بے نیاز ہو، فقیر وہ ہے جو اللہ کی رضا میں اپنی تمام خواہشات کو ترک کر دے، اور خود کو اس کے ہاتھ میں دے دے۔"

17. غصہ اور سکون
غصہ انسان کے دل کا زہر ہے، اور سکون اللہ کی رضا میں ہے۔ جب تمہارے دل میں سکون ہو، تو

تمہیں کسی بھی دنیاوی پریشانی کا سامنا نہیں ہوتا۔

18. دعاؤں کی قبولیت
دعاؤں کا جواب دیر سے آنا اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہے۔ صبر کرو، کیونکہ جو دعا اللہ کے نزدیک قبولیت سے پہلے آزمائش سے گزرتی ہے، وہ ہمیشہ تمہارے لیے بہترین ثابت ہوتی ہے۔

19. حالات کا مقابلہ
زندگی کے ہر دکھ کو اللہ کی رضا سمجھو وہ تمہیں تمہاری طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا۔"

20. محبتِ رسول ﷺ
جو شخص نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے، وہ کبھی بھی فریبِ دنیا کا شکار نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کی محبت انسان کو سیدھی راہ پر لے آتی ہے۔

21. انسان کبھی راضی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہمیشہ خوشی کی تلاش کرتا ہے اور اسے کسی نہ کسی غم سے دو چار ہونا پڑتا ہے

22. اللہ اور صرف اللہ کو ماننے اور اس سے تعلق کا نام اسلام نہیں ہے حضور اکرم ﷺ کے وسیلے کے بغیر تقرب الٰہی کا تصور خارج از اسلام ہے

23 ۔تم محبت بھی کرتے ہو۔ انسانوں سے نہیں، اشیاء سے۔ تمہیں کثرت عزیز ہے ۔ تم آلائش سے ، آرائش سے ، زیبائش سے اور نمائش سے محبت کرتے ہو تم فطری جذبات سے محروم ہو چکے ہو۔ تم اپنے مکان کو ہی سجاتے رہتے ہو ۔ اس میں فانوس روشن کرتے ہو ، اس میں چراغاں کرتے ہو ، مگر تمہارے دل کی دنیا میں چراغاں نہیں ہے۔ مکان جگمگا رہے ہیں اور دل بجھے ہوئے۔
باہر کا چراغاں دل کا اندھیرا دور نہیں کر سکتا

24. اللہ تعالیٰ کی ذات سراسر نور ہے، اور وہ اپنے خاص بندوں پر اپنے نور کی تجلی فرماتا ہے۔ یہ وہی تجلی ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بے ہوش کر دیا تھا۔ لیکن وہی تجلی جب قلبِ محمدی ﷺ پر پڑی تو آپ ﷺ قاب قوسین پر فائز ہو گئے۔ اسی حقیقت کو صوفیائے کرام نے بیان کیا ہے کہ دیدارِ الٰہی کے قابل وہی

ہوتا ہے جو اپنے وجود کو مٹا کر صرف اللہ کی ذات میں فنا ہو جائے۔

25. سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ فرماتے ہیں: "اللہ کی پہچان تب ہوتی ہے جب بندہ اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر سراپا محبت بن جائے۔ اللہ کو دیکھنے والے دل کی آنکھ رکھتے ہیں، نہ کہ ظاہر کی۔ دل کا آئینہ جب زنگ آلود ہوتا ہے تو حقیقت نہیں دکھتی، اور جب وہ صاف ہو جاتا ہے تو اسمِ ذات کا نور اس میں چمکتا ہے۔"

26. صوفیا نے معرفتِ حق کے حصول کے لیے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے اصولوں کو اختیار کیا۔ فنا فی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام خواہشات، خودی، اور نفسانی تقاضوں کو اللہ کے سامنے فنا کر دے۔ جب یہ فنا مکمل ہوتی ہے، تو بقا باللہ کا دروازہ کھلتا ہے، اور بندہ سراسر نورِ الٰہی میں ڈھل جاتا ہے۔

27. دیدارِ حق کا راز
"اللہ کی ذات کو وہی پہچان سکتا ہے جو خود

کو فراموش کر دے۔ جو خودی میں مبتلا رہا، وہ حقیقت کے سمندر میں غوطہ نہ لگا سکا۔ جو خودی سے نکل گیا، وہ اللہ کے نور میں گم ہو گیا۔ جب قلب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو تجلیاتِ الٰہی اسے منور کر دیتی ہیں۔"

28. فقر اور حقیقتِ انسانی
سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ فرماتے ہیں:
"فقیر وہی ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کی طرف دیکھے بھی نہیں۔ وہی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے جو اپنی خواہشات کو ترک کر دیتا ہے اور اللہ کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے قریب ہو گیا، وہ سب کچھ پا گیا، اور جو دنیا کے دھوکے میں رہا، وہ راہِ ہدایت سے بھٹک گیا۔"

29. فقیر کا دل آئینہ ہوتا ہے جس میں اللہ کا نور چمکتا ہے۔ یہ دل ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتا ہے، اور اللہ کی رضا میں سرشار رہتا ہے۔
سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کی تعلیمات میں واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ فقر دراصل دنیاوی خواہشات سے بے نیازی کا نام ہے، اور یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ اللہ کے نور سے منور

ہو جاتا ہے۔

30. معرفتِ حق، عشقِ الٰہی، فقر، اور فنا فی اللہ کے راستے وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو اللہ کی محبت میں خود کو مٹا دیتے ہیں۔ یہی اصل کامیابی ہے۔ جو اللہ کو پا لیتا ہے، وہی حقیقت میں کامیاب ہوتا ہے۔

سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کی تعلیمات ہمیں یہ درس دیتی ہیں کہ اللہ کی محبت میں فنا ہو جانا ہی اصل زندگی ہے، اور اس راہ میں چلنے والا ہی حقیقت کا عرفان پاتا ہے۔

آپؒ نے فرمایا:
فقیر کا دل صرف ایک چیز سے آباد ہوتا ہے اللہ کی محبت۔ اور جس دل میں اللہ کی محبت ہو،

کردار سے درس
آپ کی زندگی خود مکتب تھی۔
جو آپ کے قریب آیا، اسے صبر، سکون، تحمل، عاجزی، اخلاص، عبادت، محبت، حلم، اور توقیرِ

رسول ﷺ سیکھنے کو ملی۔

آپؒ نے ہمیشہ فرمایا:
فقیر وہی ہے جو کسی کو دکھ نہ دے،
اور ایسا چراغ بن جائے جو خود جلتا رہے،
مگر دوسروں کے لیے روشنی بانٹتا جائے۔"
آپ کی روزمرہ زندگی بظاہر سادہ، مگر باطنی
طور پر ایک روحانی قافلہ تھی —
جس کا ہر لمحہ ذکر، فکر، صبر، شکر اور عشقِ
الٰہی میں گزرتا تھا۔

سحر خیزی
آپ کا دن رات سے پہلے جاگ اٹھتا۔
تہجد کا وقت جیسے آپ کے لیے محبوب کا بلاوا
ہو وضو کرتے وقت چہرے پر سکون کی ایک
خاص چمک ہوتی،
تہجد کے بعد طویل مراقبہ
آنکھیں بند، دل اللہ کی طرف متوجہ
مرید اگر قریب بھی ہوتے، تو جانتے تھے کہ مرشد
کریمؒ اس وقت کسی اور جہان میں ہیں۔
یہی وقت ہوتا، جب آپ کو باطنی فیض اور

الہامات کی کیفیت نصیب ہوتی

ذکر اور درود کا نورانی سلسلہ
آپؒ اکثر فرمایا کرتے:
فقیر کی سانس بھی ذکر ہونی چاہیے،
تب جا کے دل میں اطمینان اترتا ہے۔"
درود شریف آپ کی روح کی غذا تھا۔
ہر کام سے پہلے، ہر گفتگو کے دوران، ہر ملاقات کے آغاز میں —
درود کی خوشبو ساتھ ہوتی۔
دلائل الخیرات اور ثمرت الحیات ہمیشہ آپ کے معمول میں رہا

شفقت و تربیت
جو آیا، آپ نے شفقت سے سنا، ہمدردی سے سمجھا، اور حکمت سے سمجھایا۔
آپ کی باتیں نہ کتابی ہوتیں، نہ خطبوں جیسی، بلکہ سادہ، زندگی کے قریب، اور دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی۔

اولیاء اللہ سے محبت
حضرت سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کی

روحانیت کا کمال یہ تھا کہ آپ ہر سال محرم الحرام میں خاص طور پر اللہ کے مقرب بندوں کے مزارات پر حاضر ہوتے اور وہاں کی برکات سے اپنی روحانیت میں مزید لطافت اور پاکیزگی حاصل کرتے۔ یہ آپ کا معمول تھا کہ آپ حضور بابا فرید الدین گنج شکر رحمت اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دیتے، وہاں ورد و درود پڑھتے، سلام پیش کرتے اور لنگر تقسیم کرتے۔ اس عمل کے ذریعے آپ نہ صرف خود کو روحانی فیض سے سیراب کرتے، بلکہ وہاں موجود خلق خدا کے دلوں کو بھی محبت اور روحانیت کا پیغام دیتے۔

ماہ صفر میں باقاعدہ طور پر حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دیتے۔ وہاں بھی درود و سلام پیش کرتے، دعا کرتے اور لنگر تقسیم کرتے۔ یہ آپ کا معمول تھا کہ جہاں اللہ کے مقرب بندوں کے مزارات تھے، آپ وہاں حاضری دے کر اپنی روحانیت میں اضافہ کرتے جن میں حضرت سخی سلطان باھوؒ غوث بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی خواجہ غلام فریدؒ کوٹ مٹھن شریف شامل ہیں

اسی سلسلے میں آپ حضور شاہ عنایت قادری

رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی حاضری دیتے وہاں بھی درود و سلام اور دعا کرتے اور لنگر تقسیم کرتے۔ پھر آپ حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی حاضری دیتے، وہاں بھی درود و سلام پڑھتے اور لوگوں کے درمیان لنگر تقسیم کرتے۔ یہ تمام عمل آپ کے روحانی سفر کا حصہ تھا جس میں آپ نے ہر جگہ برکتیں سمیٹیں اور لوگوں کو حق کا راستہ دکھایا۔

5 جولائی 2005 کو آپ کا وصال علی ہسپتال، ملتان میں ہوا۔ اس وقت آپ کے بھتیجے سی محمد یار شاہ بخاری، مرید غلام شبیر، خادم محمد خالد نعیم اور آپ کے برادر نسبتی صاحب آپ کے پاس موجود تھے۔ وصال کے وقت موسلادھار بارش ہونے لگی، جیسے آسمان بھی غم میں اشک بہا رہا ہو۔ آپ کا مزار پر انوار آج بھی بستی چراغ شاہ میں مرجعِ خلائق ہے۔ آپؒ کے حکم کے مطابق 12 اور 13 ربیع الاوّل کو ہر سال عرس مبارک منایا جاتا ہے۔ محفلِ نعت درود و سلام محفلِ سماع وسیع لنگر کا انتظام ہر چیز روحانیت سے لبریز ہوتی ہے۔

ربّ کی رضا

(فیضانِ چراغِ ہدایت کا باطنی آغاز)
قرآنی آیت:
رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ
"اللّٰہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللّٰہ سے راضی ہو گئے۔"
(سورة البَيِّنَة، آیت 8)
حدیثِ قدسی:

قال اللّٰہ تعالٰی:
"من رضِي بقضائي، أعطيته الرضا فيما أحبَّ، وباركتُ له فيما كرهَ"
"جو میرے فیصلے پر راضی ہو گیا، میں اسے وہ چیز بھی راضی کر کے دوں گا جسے وہ پسند کرتا ہے، اور جسے وہ ناپسند کرے گا، اُس میں بھی برکت عطا کروں گا۔"
(الطبرانی، المعجم الکبیر)

مرشدِ کریم، سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے:

"جب بندہ دل سے اللہ کی تلاش میں نکلتا ہے، تو کائنات کی ہر شے اُسے اللہ کا پتہ دیتی ہے۔"
یہ جملہ میرے دل میں یوں بیٹھ گیا جیسے کسی نے چراغ جلا دیا ہو۔
میں راہِ طلب میں تھا، سوالوں کی آگ سینے میں دہک رہی تھی۔
ایک دن دل میں ایک بےتاب سا سوال جاگا:
"نجانے اللہ مجھ سے راضی ہے یا نہیں؟"
"کس سے پوچھوں؟ یہ بات تو صرف کوئی اللہ والا ہی بتا سکتا ہے...!"
لیکن مرشدِ کریمؒ تو پردہ فرما چکے تھے۔ قرب و جوار میں کوئی باخبر ہستی نہ تھی۔
حضرت پیر علاؤالدین صدیقیؒ کا علم تھا، مگر اُن تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔
کشمکش میں دن گزر رہے تھے کہ اچانک ایک دن راستے میں پڑا ہوا، بوسیدہ اخبار کا ٹکڑا نظر آیا۔
دل میں جیسے کچھ ہوا میں نے وہ ٹکڑا اُٹھایا، صاف کیا... تو آنکھوں کے سامنے چمکتا ہوا فرمان تھا:
"اگر کوئی بندہ جاننا چاہے کہ اللہ اس سے راضی ہے یا نہیں،

تو وہ اپنے دل پر غور کرے: اگر وہ خود اللہ سے راضی ہے،
تو یقین رکھے کہ اللہ بھی اس سے راضی ہے!"
(حضرت علی کرّم اللہ وجہ الکریم)
جیسے کسی نے دل کی گرہ کھول دی ہو،
میں ساکت کھڑا تھا... سوچنے لگا:
کیا میں اللہ سے راضی ہوں؟
کیا مجھے اس کی تقسیم، اس کی تقدیر پر سکون ہے؟ کیا میں شکوہ چھوڑ کر شکر گزار ہوں؟
دل سے جواب آیا: "ہاں! میں اپنے رب سے راضی ہوں!"
اسی لمحے مرشدِ کریمؒ کا فرمان پھر سے گونجا:
"جب بندہ دل سے اللہ کی تلاش میں نکلتا ہے تو کائنات کی ہر شے اُسے اللہ کا پتہ دیتی ہے۔
اللہ والے دور نہیں ہوتے،
بس ان کی آواز سننے کے لیے دل کا کان کھلا ہونا شرط ہے!"
میری آنکھیں بھیگ گئیں... دل جیسے سجدے میں چلا گیا... رب نے خود اپنی رضا کی خبر دی —
حضرت علیؓ کے فرمان کے ذریعے، ایک پرانے اخبار کے ٹکڑے پر، بیچ راہ میں۔

پسِ پردہ خواب
(فیضانِ چراغِ ہدایت کا پہلا نور)

کہتے ہیں...
کچھ سفر لفظوں سے نہیں سنبھلتے،
وہ روح میں خامشی بن کر اُترتے ہیں۔

یہ کتاب،
کوئی عام تحریر نہیں... یہ ایک صدا ہے، جو دل کی گہرائی سے نکلی —
مرشدِ کریم، سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ
وہ چراغ جو وصال کے بعد بھی بجھا نہیں،
بلکہ دلوں میں اور زیادہ روشن ہو گیا۔
اُسی روشنی میں ایک دن،راستے میں پڑا اخبار کا پرزہ جیسے آسمان سے کوئی سندیسہ اُترا ہو۔

حضرت علیؑ کا فرمان،
جیسے دل کے دروازے پر محبت سے دستک دیتا ہوا:
"اگر تُو اللہ سے راضی ہے، تو اللہ بھی تجھ سے راضی ہے۔"
یہ جملہ دل کے اندر چراغ بن کر جل اٹھا۔

ایسا لگا جیسے سوال نے خود اپنا جواب دے دیا ہو۔
پھر ایک احساس جاگا... اب رکنا نہیں، مرشدؒ کا پیغام عام کرنا ہے۔
اُسی لمحے نور دل ملا... نہ میں نے اُسے پکارا، نہ تلاش کیا... بس وہ پہنچ گیا، جیسے مرشد کریمؒ نے اُسے بھیج دیا ہو۔
پھر جو ہوا... وہ الفاظ کی گرفت میں نہیں،
بس رب کی عنایت،مرشدؒ کی کرامت، اور نیت کا خلوص۔

مرشد کریم کا فرمان
"اللہ کی رضا اور مرشد کا فیض وہ روشنی ہے، جو دلوں کو منور کرتا ہے،اور آنکھوں کو سچائی کا دیدار کراتا ہے۔جب تک دل اللہ کے راستے پر ثابت قدم ہے،دنیا کی ہر مشکل آسان ہے،
اور اللہ کا کرم کبھی نہیں رُکتا۔"
"ربِّ کائنات!
ہمارے دلوں میں نورِ مرشد کی روشنی ڈال دے۔
میری یہ تحریر، تیری رضا کے لیے ہو۔میرے الفاظ کو،تیرے محبوبؐ کی چوکھٹ تک پہنچا دے۔
یہ کتاب،محض الفاظ نہ ہو، بلکہ توبہ کی شمع بن

یہ کتاب،محض الفاظ نہ ہو، بلکہ توبہ کی شمع بن جائے،مرشدؒ کی محبت کی خوشبو بن جائے،
اور ہر دل کو تیری طرف کھینچ لائے۔

آمین یا رب العالمین!"

درود و سلام بر جانِ جاناں، خاتم النبیین ﷺ

جب ذکر تیرا آیا، خوشبو بکھر گئی
محفل مہک اٹھی، تنہائی سنور گئی

کلامِ حضرت سیّدنا صابر پیاؒ

امروز شاہِ شاہاں مہماں شدست مارا
جبرائیل با ملائک درباں شدست مارا

ترجمہ:
آج بادشاہوں کا بادشاہ ہمارا مہمان ہوا ہے،
اور ملائکہ کے ساتھ جبرائیل ہمارا دربان ہوا ہے۔

تشریح:
یہ کلام سالک کے وجود میں ذاتِ حق کے ظہور کی حالت کو بیان کرتا ہے۔
"شاہِ شاہاں" ربّ الارباب ہے، جو سالک کی باطنی خلوت میں وارد ہوتا ہے۔
یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ، اسم "اللّٰہ" کی تجلیِ ذاتی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اَنا اَللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلّا أنَا مَالِکُ الملوک وَمَلکُ المَلُوک
میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔
میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔
یہ مہمانی دراصل قلبِ مومن میں ذاتِ حق کی آمد ہے،
حدیث میں آیا ھے
قَلبُ المُومِن عَرشُ اللّٰہِ تَعَالٰی
مومن کا دل اللّٰہ کا عرش ہے۔

نہ میں(اللّٰہ) زمین میں سماتا ہوں اور نہ آسمانوں میں لیکن بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔
(حدیث قدّسی)

در بارگاہِ وحدت کثرت کجا بگنجد
ہزدہ ہزار عالم یکساں شدست مارا

ترجمہ:
وحدت کی بارگاہ میں کثرت کی کہاں گنجائش ہے؟
اس لیے 18 ہزار عالم ہمارے لیے یکساں ہو گئے

ہیں۔

تشریح:
وحدت وہ مقامِ شعور ہے جہاں سالک کو ہر شے
میں حق تعالیٰ کی یکتائی نظر آتی ہے،
جبکہ کثرت وہ مرتبہ ہے جہاں ہر شے الگ، بیگانہ
اور جدا محسوس ہوتی ہے۔
لیکن عارف کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے:
ہر صورت ایک عالم ہے،
مگر حقیقت میں سب ایک ہی ذات کا ظہور ہیں۔
قرآن:
خَلَقَكُم مِن نَفْسٍ وَاحِدَة
اللہ نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔

در خلوت گدایاں مرسل چہ کار دارد
بے برد و بے نوائی ساماں شدست مارا

ترجمہ:
فقیروں کی خلوت میں قاصدِ کی گنجائش کہاں؟
جبکہ غریبی اور خاموشی ہی ہمارا کل سامان بن
چکا ہے۔

ترجمہ:
فقیروں کی خلوت میں قاصدِ کی گنجائش کہاں؟
جبکہ غریبی اور خاموشی ہی ہمارا کل سامان بن چکا ہے۔

حدیث قدسی:
لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ
میرے لیے اللّٰہ کے ساتھ ایک ایسا وقت آتا ہے
جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ داخل ہو سکتا ہے، نہ کوئی نبی مرّسل۔(الحدیث)
یہ وہ وقت ہے جب عارف کی روح اللّٰہ سے راز و نیاز میں مشغول ہوتی ہے،
ایسے وقت میں مخلوق کی کوئی رسائی نہیں ہوتی۔
یہی مقام "فقر" ہے،
جہاں ہر شے سے خالی ہو کر سالک صرف ذاتِ حق میں مستغرق ہوتا ہے۔
ہر امت کو ان کے نبی علیہ السّلام کے کمالات میں سے کامل اتّباع کے نتیجے میں حصہ عطا ہوتا ہے۔
حضرت محمدﷺ کی اتّباع کے نتیجے میں اولیاءِ کرام کو بارگاہ رسالت سے جو فیض حاصل ہوتا

ہے، وہ ان کیفیات و احوال پر مشتمل ہوتا ہے جن سے آپ ﷺ گزرے تھے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّتٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی۔ (آل عمران 110)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَة
در حقیقت، تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ظاہری اعمال اور باطنی احوال دونوں شامل ہیں۔

غریبی سے مراد ہر شے کا مالک اللہ کو سمجھ کر تمام اشیاء یہاں تک کہ اپنے وجود کی ملکیت سے بھی دستبردار ہو جانا ہے۔

بت خانہ جہاں را بسیار سیر کردم
آئینِ خود پرستی ایمان شدست مارا

ترجمہ:
ہم نے اس جہاں کے بت خانہ کی بہت سیر کی،
اور خود پرستی ہی ہمارا ایمان بن گئی۔

تشریح:
یہاں خودی کی نفی مراد ہے،
جب سالک ہر مقام، ہر تعلق، ہر خواہش کو دیکھ کر آخرکار یہی سمجھتا ہے
کہ نفس و خودی ہی سب سے بڑا حجاب ہے۔
عارف وہ ہے جو خود کو فنا کر کے محض حق کی رضا کا طالب ہو۔

احمدؒ بہشت و دوزخ بر عاشقاں حرام است
ہر دم رضائے جاناں رضواں شدست مارا

ترجمہ:
اے احمدؒ! جنت اور دوزخ عاشقوں پر حرام ہے،
ہر دم محبوب کی رضا ہی ہمارے لیے جنت ہو گئی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ:
میں اللہ کی عبادت نہ جنت کی لالچ میں کرتا ہوں، نہ دوزخ کے خوف سے۔
میں اس کی عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ وہ عبادت کے لائق ہے۔"

یہی عشقِ حقیقی ہے، جو معرفتِ الٰہی کا دروازہ
کھولتا ہے۔
حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
"فقیر وہی ہے جو مجلسِ قُدس میں دائم حاضر
ہو، اور عالمِ خلق سے فانی ہو جائے۔"

یہ کلام حضرت سیّدنا سخی صابر پیاؒ کا وہ
روحانی نغمہ ہے جو نہ صرف عشق و معرفت کا
آئینہ دار ہے،
بلکہ فقرِ محمدی ﷺ کی وہ جھلک بھی پیش کرتا
ہے جو دنیا و مافیہا سے بے نیازی،
اور صرف رضائے محبوبِ حقیقی کو مقصدِ حیات
بناتی ہے۔
ہر مصرعہ گویا قلبِ سالک کے سفر کا ایک دروازہ
ہے، اور ہر شعر، باطنی پردوں کو چاک کر کے نورِ
تجلی سے آشنا کرتا ہے۔

حقِ پیر و حقِ مرید

ایک دن حضرت سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کے دربار میں، ایک محبِ مرشد کے دل کی گہرائی سے یہ سوال نکلا:
"حضور! مرشد کا حق کیا ہے اور مرید کا حق کیا ہے؟"
سرکارؒ نے کچھ دیر توقف فرمایا، جیسے ایک لمحے کے لیے دل کی گہرائی میں غوطہ لگایا، پھر مسکرا کر فرمایا:
"یہ سوال تمہارے دل کی بے قراری کا غماز ہے، کہ تمہارا دل حق کی جستجو میں ہے۔
دیکھو، مرشد کا حق یہ ہے کہ وہ مرید کے دل میں اللہ کا نور بھر دے،
اس کے اندر کی تمام بے راہ رویوں کو ختم کر کے اسے سیدھی راہ پر لگا دے،
اس کی زندگی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات میں حقیقت کا رنگ بھر دے۔
مرشد کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کے اندر روحانیت کی وہ جوت جگا دے
جو اسے ربّ کے قریب کر دے، اور وہ مرید ہمیشہ مرشد کی رہنمائی میں مست رہ کر دنیا و آخرت

میں کامیاب ہو جائے۔

اور مرید کا حق یہ ہے کہ وہ مرشد کی تعلیمات
اور رہنمائی کے سامنے سر تسلیم خم کرے،
اس کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کرے، اور
اس کا دل مکمل طور پر مرشد کی محبت اور
رہنمائی سے معمور ہو جائے۔ مرید کا حق یہ ہے کہ
وہ اپنی عاجزی، محبت اور
قربانی کے ذریعے مرشد کی رضا کی کوشش کرے،
اور خود کو اس کے فیض سے آراستہ کرے۔
یاد رکھو! مرید وہ ہے جو مرشد کی رہنمائی میں
چلتے ہوئے اپنی انا، خودی، اور خواہشات کو قربان
کر دیتا ہے،
اور مرشد وہ ہے جو مرید کے دل میں ربّ کی
محبت کو پیدا کر کے، اس کو وہ مقام دے دیتا ہے
جو اس کے روحانی سفر کے لیے ضروری ہوتا ہے۔
"

پھر تھوڑا توقف فرمایا
اور سرکارؒ مسکرا دیے۔ آنکھوں میں نور کی ایک
جھلک لہرائی۔ ارشاد فرمایا:
"اس سوال کا جواب بھی حضور سیدنا غوث
الاعظمؓ نے اپنے ایک مرید کو عملاً دیا تھا۔ سنو اور

دل کے کانوں سے سنو!
ایک سچا طالب، جو حضرت غوث الاعظمؓ کے حلقۂ ارادت میں تھا، ادب سے ایک دن یہی سوال لے کر حاضر ہوا:
"حضور! پیر کا حق کیا ہے؟ اور مرید کا کیا؟"
ثقلین کے غوثؒ نے مسکرا کر فرمایا:
"وقت آنے پر سمجھا دیا جائے گا!"

وقت گزرا۔ کچھ عرصے بعد اس مرید کی شادی طے ہو گئی۔ عین شادی کے دن غسل کی تیاری ہو رہی تھی۔ مرید نہا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر باہر سڑک کی طرف اٹھی۔ کیا دیکھتا ہے؟
ایک نورانی سواری، گھوڑے پر سوار، حضرت غوث الاعظمؓ گزر رہے تھے!
انہوں نے مرید کو فقط اشارے سے بلایا، اور بغیر رُکے آگے بڑھ گئے۔
مرید نے بلا تردّد سب کچھ چھوڑا، لباس، مہندی، رسومات — سب! اور مرشد کے اشارے پر لبیک کہتا ہوا پیچھے چل دیا۔
کچھ دور ایک حویلی آئی۔ مرید نے ایک شخص سے مرشد کی بابت پوچھا۔ اس نے جواب دیا:
"اندر کپڑے رکھے ہیں، بدل لو۔" مرید نے حکم مانا۔

واپس آیا تو اُس شخص نے چھ سو روپے دیے:
"پانچ سو تمہارے، اور سو مرشد کی خدمت کے لیے ۔ سامنے گھوڑا تیار ہے، بغداد شریف روانہ ہو جاؤ!"
مرید راہِ عشق پر چل پڑا۔
راستے میں ایک مقام آیا۔ لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ ایک حسین و جمیل دوشیزہ کی نیلامی ہو رہی ہے۔ دل میں فطری تجسس جاگا۔ دیکھنے کی فیس: سو روپے — ادا کیے۔ چہرہ دیکھا، تو حیرت و محبت سے لبریز ہو گیا۔ بات کرنے کی فیس: دو سو روپے — ادا کر دیے۔ آواز بھی دل کو موہ لینے والی تھی۔
دل مچلا — "کچھ وقت ساتھ گزارا جائے۔"
معلوم ہوا:
رات گزارنے کی فیس تین سو روپے
سوچنے لگا: دو سو میرے، ایک سو مرشد کے
لیکن نفس غالب آیا۔
مرشد کے روپے بھی خرچ کر دیے۔
رات کو علیحدہ کمرہ دیا گیا۔ مرید دوشیزہ کے قریب جانے لگا تو ایک غیبی دھکا لگا اور پیچھے گر گیا۔ دوبارہ ارادہ کیا — پھر گرا۔ یہ سلسلہ آدھی رات تک چلتا رہا۔

دوشیزہ نے حیرت سے پوچھا:
"آخر تمہیں کیا ہو رہا ہے؟"

مرید نے اشک بار ہو کر کہا:
"جب بھی برے ارادے سے بڑھتا ہوں، میرے مرشد کریم مجھے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے گرا دیتے ہیں!"

یہ سن کر دوشیزہ پر حیرت طاری ہو گئی:
"تمہارے مرشد کتنے کامل ہیں!
مجھے بھی ان سے ملواؤ!"
مرید نے کہا:
"وہ بغداد شریف میں ہیں، تمہیں کون اجازت دے گا؟" دوشیزہ نے کہا:
"سب سو گئے ہیں۔ چپکے سے تمہارے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے ہیں۔"
دونوں صبح بغداد شریف پہنچے۔
حضرت غوث الاعظمؒ خانقاہ کے صحن میں عقیدت مندوں میں جلوہ گر تھے۔ مرید کو دیکھ کر تبسم فرمایا:
"آ گیا میرا وفادار مرید؟"

پھر سارا حال دریافت کیا۔ مرید نے عرض کیا:
"حضورؒ! آپ خود سب جانتے ہیں!"
فرمایا:
"ہاں، مگر اپنی زبانی سناؤ تاکہ تمہیں اپنا حال یاد رہے!" مرید نے مفصل واقعہ سنایا۔
تب حضور غوث الاعظمؒ نے فرمایا:
"وہ ایک سو روپیہ جو تم نے میرا حق سمجھ کر رکھا تھا، اُسی نے تمہیں گناہ سے بچایا۔
اور جس لڑکی سے تمہاری شادی ہونے جا رہی تھی، وہ تمہاری رضاعی بہن تھی۔
اگر میرے اشارے کو نہ سمجھتے، تو ساری زندگی حرام میں گزر جاتی۔
لیکن تم نے مرشد کے اشارے پر سب کچھ چھوڑا
تم نے مرید ہونے کا حق ادا کر دیا۔
اور ہم نے تمہیں گناہ سے بچا کر پیر ہونے کا حق ادا کر دیا!"
پھر دوشیزہ سے فرمایا:
"بیٹی! اب اگر تم راضی ہو تو میں تم دونوں کا نکاح مسنونہ پڑھا دوں؟"
اور دونوں کی رضا مندی سے باعزت نکاح کر دیا گیا۔
یہی ھے پیر و مرید کا رشتہ

جہاں مرید وفا کرے، تو مرشد فنا سے نکال کر بقا میں لے جائے۔ جہاں مرید کا صدق ہو، وہاں مرشد کی نگاہ ہر قدم پر رہنمائی کرے۔

غلط فہمی کا ازالہ:
مرشد کی حفاظت ہر ایک کے ساتھ کیسے ہوتی ہے؟
یاد رکھو! ہر مرشد کامل کا طریقۂ رہنمائی اور حفاظت الگ الگ انداز میں ہوتا ہے، اور وہ ہر طالب کی استعداد، اخلاص اور ظرف کے مطابق اس کی تربیت اور نگہبانی فرماتا ہے۔
مرشد کی نگاہِ فیض صرف ظاہری اشاروں یا کرامتوں تک محدود نہیں ہوتی
بلکہ وہ تو دلوں کے حال جان کر، خاموشی سے باطن میں چراغ جلاتے ہیں،
وہ خواب، خیال، وجدان، بے چینی، ضمیر کی خلش، حتیٰ کہ راہ میں آنے والی رکاوٹوں کے ذریعے بھی مرید کو گناہ سے بچا لیتے ہیں۔
جب تم کسی گناہ کے قریب جاؤ، اور اچانک دل بے چین ہو جائے،
راستہ بند ہو جائے، یا دل میں ندامت پیدا ہو تو سمجھو یہ تمہارے مرشد کی نگاہِ کرم ہی ہے

جو تمہیں روک رہی ہے۔
کامل مرشد ہاتھ پکڑ کر نہیں، دل تھام کر راہِ حق پر لے جاتا ہے۔

سب کو ظاہر میں کرامت کیوں نہیں دکھائی جاتی؟
کرامت دیکھنا نصیب ہے، پر ہدایت پانا قربان ہونے سے مشروط ہے۔
اگر ہر مرید کو ظاہری کرامت دکھائی جائے، تو پھر امتحان، صدق، تسلیم اور وفا کہاں باقی رہے؟

غوث الاعظمؒ کے مرید نے "اشارے پر سب کچھ چھوڑا تھا"
یہی اس کی سچائی اور فقر تھا، تبھی مرشد نے اسے کرامت کے ذریعہ بچایا۔
اگر ہم مرشد کے ہر حکم، ہر نصیحت اور ہر اشارے کو پہچانیں، مانیں، اور فدا ہو جائیں
تو ہمارے مرشد بھی ہمیں گناہ سے بچاتے ہیں
بس انداز مختلف ہوتا ہے، مگر محبت اور حفاظت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

کامل مرشد کی خاموش حفاظت:

حضرت سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ
فرمایا کرتے :
"مرشد کامل اپنے طالب کے دل میں حق کی
جوت جلا کر بیٹھ جاتا ہے، پھر وہ جہاں بھی ہو،
اس کا ضمیر اس کی حفاظت کرتا ہے — اور وہی
ضمیر دراصل مرشد کی باطنی نگاہ ہوتی ہے۔"
پس اے طالبِ راہِ فقر!
مرشد کی ہر بات کو دل سے سن،
اس کی ہر تعلیم کو عمل سے سجا،
پھر دیکھ کیسے تمہاری زندگی خود بخود گناہ
سے دور اور نور سے بھرپور ہو جائے گی۔

شریعتِ مطہرہ کی روح اور مرشدِ کامل کی ضرورت

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اللہ تعالیٰ کے قرب، معرفت اور وصالِ حق کی راہ شریعت کے دروازے سے ہو کر گزرتی ہے۔ لیکن اس دروازے پر شیطان اپنی تمام چالاکیوں اور فریبوں کے ساتھ گھات لگائے بیٹھا ہے۔ وہ انسان کو اس دروازے تک آنے ہی نہیں دیتا، اور اگر کوئی باہمت سالک نماز، روزہ، زکوۃ، حج جیسے ظاہری اعمال کے ذریعے شریعت کے دروازے تک پہنچ بھی جائے، تو شیطان ایک نیا جال بچھاتا ہے:
شریعت کے ظاہر میں مشغول کر دینا اور باطن سے غافل رکھنا۔

آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے کہ لوگ شریعت پر عمل تو کرتے ہیں، مگر اس کی روح اور باطنی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں۔ وہ ظاہری عبادات میں مگن ہو کر اصل مقصد یعنی

اللہ کی معرفت اور قرب کو فراموش کر دیتے ہیں۔ حالانکہ شریعت صرف راستہ ہے، منزل نہیں۔ منزل تو اللہ کی رضا اور اُس کی معیت ہے، جس تک رسائی مرشدِ کامل و اکمل کی صحبت اور راہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔

مرشدِ کامل: راہِ حق کا چراغ

مرشد کامل وہ روحانی رہنما ہے جس کی نگاہِ کامل اور صحبتِ صادقہ طالب کے باطن کو منور کر دیتی ہے۔ جیسے ظاہری علم استاد کے بغیر سیکھنا ناممکن ہے، ویسے ہی باطنی علم اور فقر کی حقیقت مرشد کامل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ مرشد کی صحبت میں ہی سالک کی کثافت، دنیاوی خواہشات، اور خودی فنا ہو کر حقیقتِ الٰہی میں غرق ہو جاتی ہے۔

فرمانِ سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ:
مرشد کی رہنمائی کے بغیر کوئی بھی طالب اللہ کی حقیقت اور وصالِ حق تک نہیں پہنچ سکتا۔

باطنی سفر کی رکاوٹیں
جب سالک شریعت کے دروازے سے باطن کی نگری میں داخل ہوتا ہے تو اسے ایک نئی آزمائش در پیش ہوتی ہے

رجوعاتِ خلق۔
دنیاوی لوگ اسے اپنی مشکلات کا حل سمجھ کر گھیر لیتے ہیں، اور اگر سالک مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس وادی میں آگے بڑھنے لگے تو وہ گمراہی اور فریب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر مرشد کامل کی نگاہ اور صحبت ہی اسے محفوظ رکھتی ہے۔
شریعت اور حقیقت کی وحدت
حقیقت یہ ہے کہ شریعت اور طریقت جدا نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں۔ شریعت ظاہری اطاعت کی راہ ہے، جبکہ طریقت اُس اطاعت کی روح ہے۔ جب دل دنیا کی محبت سے پاک ہو کر اللہ کے ذکر سے آباد ہوتا ہے، تب شریعت کی روح ظاہر ہوتی ہے۔ یہی فقر کی اصل ہے، اور یہی تصوف کا نچوڑ ہے۔
جو شخص شریعت پر خلوص سے عمل کرے، مرشدِ کامل کی صحبت اختیار کرے، اور دنیاوی

مرشدِ کامل کی صحبت اختیار کرے، اور دنیاوی
علائق سے دل کو خالی کر کے اللّٰہ کی طرف رجوع
کرے، وہی اللّٰہ کی معیت، معرفت اور وصالِ حق
تک پہنچ سکتا ہے۔ یہی تعلیم حضرت سخی
سلطان چراغ شاہ بخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ اور تمام
اولیائے کرام کا پیغام ہے۔

روحانیت اور تصوف – ایک عمیق سفر

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
"نہ ان کی نگاہ چوکی اور نہ حد سے بڑھی" (النجم: 17)
یہ آیت اس حال کا بیان ہے جب سالکِ راہِ حق اپنی توجہ کو کلیتاً اللہ کی طرف مرکوز کر دیتا ہے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر صرف رضائے الٰہی کی جستجو میں سرگرداں رہتا ہے۔ اس کا دل دنیاوی آلائشوں سے خالی اور روح لطافت و پاکیزگی سے معمور ہو جاتی ہے۔
حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان دل کو جھنجھوڑ دیتا ہے:
"جب تک تُو اپنی اولاد کو یتیم، بیوی کو بیوہ اور خود کو خاک میں ملانے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اس وقت تک تیرے اندر حقیقی عبادت کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔"
یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ روحانی سفر میں اصل قربانی اپنی خواہشات، دنیاوی رشتوں، اور خودی کو چھوڑنے کا نام ہے۔ اللہ کی محبت کی راہ میں سالک کو ہر وہ چیز ترک کرنی پڑتی ہے جو دل کو غیر اللہ کی طرف مائل کرتی ہو۔

فقیر کی حقیقت
فقیر وہ ہے جو دنیا کی لذتوں اور خواہشات سے آزادی حاصل کر کے فنا فی اللہ کی منزل پا لیتا ہے۔ ایسا فقیر کسی کرامت یا شہرت کا طالب نہیں ہوتا، بلکہ وہ سراپا تسلیم و رضا بن کر اللہ کی رضا میں خود کو فنا کر دیتا ہے۔
حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"جو شخص تسلیم و رضا کی چھری سے ذبح ہو جاتا ہے، وہ ہر لمحہ غیب سے ایک نئی زندگی پاتا ہے۔"
یعنی اس کا دل ہر آن اللہ کے نور سے منور رہتا ہے، اور وہ دائمی روحانی فیض میں بسر کرتا ہے۔
دل کی صفائی – فقر کی بنیاد
دل کی صفائی ہی فقر کی اصل بنیاد ہے۔ دل اگر دنیا کی محبت سے آلودہ ہو تو اللہ کی محبت کا نور اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔
حضرت سخی سلطان باھوؒ ارشاد فرماتے ہیں:
"جب دل پر دنیا کی محبت کا غبار چھا جائے تو اللہ کی رحمت وہاں نہیں اترتی۔"
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ایک دل میں دین اور دنیا دونوں جمع نہیں ہو سکتے، جیسے پانی اور آگ ایک برتن میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دل کو اللہ کی یاد اور محبت کے ذریعے پاک کرنا ہی اصل روحانی تربیت ہے۔
فقر محض دنیاوی چیزوں سے بے نیازی کا نام نہیں بلکہ یہ معرفتِ الٰہی کا وہ زینہ ہے جس سے بندہ قربِ الٰہی کی بلند ترین منازل طے کرتا ہے۔

حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
"جو شخص اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے، وہ اللہ کی ذات میں غرق ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر عبادت کا ظاہری بوجھ نہیں رہتا، کیونکہ اس کا ہر سانس، ہر حرکت، اللہ کی رضا میں ڈھل چکی ہوتی ہے۔ یہی مقامِ فنا فی اللہ ہے جہاں بندہ اپنی ذات کو بھلا کر صرف اللہ کی ذات میں جیتا ہے۔

حدیثِ قدسی ھے:
"میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔"
یعنی اگر بندہ اللہ کی معیت اور قرب کا طالب ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رفاقت میں لے آتا ہے۔
یہی معیت سالک کو ہرحال میں سکون، اطمینان اور صبر عطا کرتی ہے۔

عشقِ الٰہی اور فنا فی اللہ
عشقِ الٰہی ایک ایسی آگ ہے جو انسان کے اندر
کی ہر غیر اللہ چیز کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔
محبتِ الٰہی میں غرق سالک کی زندگی کا ہر لمحہ،
ہر عمل صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔
یہی وہ مقام ہے جہاں نہ نفس باقی رہتا ہے، نہ
دنیا کی کشش؛ صرف اللہ رہ جاتا ہے۔

حضرت پیر میراں محی الدینؒ کا اپنے مریدوں سے تعلق

حضرت پیر میراں محی الدینؒ کا اپنے مریدوں اور طالبوں سے تعلق محض ظاہری نہیں بلکہ روحانی اور قلبی ہے، جو جسم و جان کے تعلق کی مانند ہے۔ جیسے جسم بغیر جان کے مردہ ہو جاتا ہے، ویسے ہی حضرت محی الدینؒ اپنے مریدوں کی روح اور زندگی کا سہارا ہیں۔ ان کی محبت، توجہ، اور رہنمائی مرید کے باطن کو جِلا بخشتی ہے۔
یہی وہ تعلق ہے جو دنیا تک محدود نہیں، بلکہ عالمِ برزخ اور قیامت تک قائم رہتا ہے۔
حضرت شیخ عبد القادر جیلانی المعروف پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے:
اگر میرا مرید صالح ہو تو وہ میری آستین میں ہے، اور اگر گناہگار ہو تب میں اس کی آستین میں رہ کر اسے ہدایت دیتا ہوں۔

اگر میرا مرید صالح ہو تو وہ میری آستین میں ہے...
اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مرید نیک،

پرہیزگار، اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والا ہے، تو وہ مرشد کی خاص توجہ، تربیت، نگاہِ رحمت اور حفاظت میں ہوتا ہے۔ جیسے قمیص کی آستین انسان کے جسم کے قریب اور احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے، ویسے ہی ایسا مرید مرشد کے باطنی دائرۂ نگاہ و ولایت میں رہتا ہے۔ وہ مرشد کی دعا، محبت اور روحانی قوت سے ہمیشہ فیض پاتا ہے۔

اور اگر مرید (طالح) گناہگار ہو تب میں اس کی آستین میں رہ کر اسے ہدایت دیتا ہوں۔"

یہاں مرشد کامل کی شانِ رحمت و شفقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر مرید نافرمان، گناہگار یا راہِ حق سے ہٹا ہوا بھی ہو، تب بھی سچا مرشد اُسے تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ اُس کے باطن میں چھپ کر، اس کی حالتِ غفلت میں بھی، اس پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ اپنی دعاؤں، نگاہوں، اور باطنی تصرفات سے اس کی اصلاح کرتا ہے، تاکہ وہ دوبارہ راہِ حق پر آ جائے۔
یہ قول دراصل مرشد کامل کی غیر مشروط

محبت، رحمت، اور مستقل رہنمائی کی علامت ہے۔
مرشد اپنے مرید کو صرف نیکی کی حالت میں
نہیں چاہتا، بلکہ گناہ اور خطا میں بھی اُس کا
ساتھ نہیں چھوڑتا۔ وہ دنیا و آخرت میں اُس کی
خیر چاہتا ہے، اور مسلسل اس کے باطن کو نرمی،
دعا اور روحانی نگاہ سے سنوارتا ہے۔
یہی وصف حضرت پیر میراں محی الدینؒ کی
روحانی تربیت اور فیض کا بھی خاصہ ہے۔ وہ
اپنے مریدوں کو نہ صرف دنیاوی فتنوں سے
بچاتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کے شفیع و
مددگار ہوں گے۔

قیامت تک قائم رہنے والا تعلق
اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کی قسم، حضرت
محی الدینؒ اپنے مریدوں کو قیامت کے دن بھی
تنہا نہ چھوڑیں گے۔ وہ ہر مقام پر ان کے ساتھ
ہوں گے۔ ان کے قدموں کی خاک ان کے مریدوں کے
لیے رحمت و دعا کا ذریعہ بنے گی۔ وہ ہر دکھ، ہر
آزمائش، اور ہر گھاٹی میں اپنے طالبوں کے ساتھ
شریک ہوں گے اور ان کی رہنمائی کا سلسلہ کبھی
منقطع نہ ہو گا۔
یہ روحانی رشتہ اس قدر گہرا اور اٹوٹ ہے کہ

قیامت کی سختیوں میں بھی ان کے مرید ان کے
نور میں لپٹے ہوں گے۔ جیسے جسم جان کے بغیر
مکمل نہیں ہوتا، ویسے ہی مرید اپنے مرشد کے
فیض و نور کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔
حضرت پیر میراں محی الدین کا تعلق اپنے
مریدوں سے محض عقیدت کا نہیں، بلکہ ایک
زندہ، جاری اور ہمہ وقتی روحانی تعلق ہے۔ ان کی
محبت، ان کی نگاہِ کرم، اور ان کی راہنمائی دنیا و
آخرت کی سب سے قیمتی دولت ہے، جو ان کے ہر
مخلص مرید کو نصیب ہے۔
سبحان اللہ

تصورِ مرشد

اصل میں مرشد ہی مرید کو چُنتا ہے، مرید کی کیا مجال؟
بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسان تلاش کرتا ہے، در در بھٹکتا ہے، ریاضتیں کرتا ہے اور کسی روحانی دربار تک پہنچتا ہے،
لیکن یہ محض نظر کا دھوکہ ہے...
حقیقت یہ ہے کہ ہر مرشد اپنے مرید کو پہلے ہی چن لیتا ہے۔
کبھی دیکھا ہے غلام نے مالک کو چُنا ہو؟
ہمیشہ مالک ہی غلام کو پسند کرتا ہے۔
اسی طرح مرید اُس در پر سکون پاتا ہے جہاں اللہ والے کی نظرِ کرم اُس پر پہلے ہی پڑ چکی ہو۔
ہمیشہ مقناطیس ہی لوہے کو کھینچتا ہے،
لوہے میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ مقناطیس کو کھینچے۔
جن لوگوں کو ولی اللہ نہیں ملتے،
وہ دراصل اُس الہیٰ نظر سے محروم ہوتے ہیں،
جس نے انہیں چُننا ہی نہیں ہوتا۔
جس دن کوئی ولی اللہ چُن لیتا ہے،

اسی دن وہ بندہ اُس در پر جا کر اپنا سودا کر آتا ہے۔
ایک درویش کے مزار پر کسی نے...
جہالت دیکھی، کسی نے خدا
کسی نے فنا، کسی نے بقا
کسی نے شرک، کسی نے وحدت
کسی نے رقص، کسی نے پرواز
کسی نے گناہ، کسی نے ثواب
کسی نے بدعت، کسی نے راز و نیاز
کسی نے غیراللہ، کسی نے عین اللہ دیکھا
الغرض:
جس کا جیسا حال تھا، اُس نے ویسا ہی حال دیکھا۔
جب مرشد پوچھے: "تیری کوئی خواہش؟ کوئی چاہت؟"
تو ہوش رکھنا... موقع ضائع نہ کرنا...
خاموشی سے مرشد پر ہی ہاتھ رکھ دینا...
مرشد سے مرشد ہی کو مانگ لینا...
مرشد سے آخرت میں اُس کا ساتھ مانگ لینا۔
یہ دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا:

فنا فی اللہ کیا ہے؟
حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
فنا فی اللہ یہ ہے کہ بندہ اپنی صفات سے نکل کر اپنے اندر اللہ کی صفات پیدا کر لے۔"
یہ راستہ ایک دن کا نہیں،
یہ بہت غور، فکر، فنا اور صدق کا راستہ ہے...
یہ راستہ ھے خود کو مٹانے کا،
اور حق میں باقی رہنے کا۔

ایک بار میں نے اپنے مرشدِ کریم، سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ سے عرض کی:
سرکارؒ! اگر بندہ اللہ سے محبت کرے، اسے یاد کرے، تو کیا اللہ بھی بندے کو یاد کرتا ہے؟"
مرشدِ کریمؒ مسکرائے، نگاہِ محبت سے دیکھا اور بڑی شفقت سے فرمایا:
اصل بات تو یہ ہے کہ پہل اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ بندے کا اللہ کو یاد کرنا، دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اللہ نے اُسے پہلے ہی یاد کیا ہوتا ہے۔
اللہ جسے یاد نہ کرے، وہ اُسے کیسے یاد کر سکتا ہے؟"

ہے؟"
پھر مرشدِ کریم نے سورۃ البقرہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی:
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ
"پس تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔"
(البقرہ: 152)

مرشد کریم نے فرمایا:
"جب بندہ دل میں اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو وہ ذکر کسی فکری مشق کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس توجہ کا اثر ہوتا ہے جو ربّ تعالیٰ نے اس کے دل پر ڈالی ہوتی ہے۔ وہ پہل جو رب نے کی، وہی دل کو جھکا دیتی ہے، زبان کو ذکر میں مشغول کر دیتی ہے، اور روح کو اپنی طلب میں لگا دیتی ہے۔"
تب سمجھ آیا کہ:
"اللہ کی محبت، اللہ کی یاد، اللہ کی طرف پلٹنا یہ سب اللہ کی مہربانی اور نگاہِ رحمت کا نتیجہ ہیں۔"

غین سے عین تک

1. مرشد کے فیض سے اپنی وہمی ہستی سے نجات ملی۔
مرشدِ کامل کی برکت نے مجھے اس جھوٹی اور عارضی "ہستی" سے آزاد کر دیا، جو محض ایک فریب تھی۔
2. اس وہم کو قائم رکھنے کے جتن اب ختم ہوئے۔
جو تگ و دو میں اپنی ہستی کی بقا کے لیے کرتا تھا، وہ سب لاحاصل تھی۔ مرشد نے ان سے خلاصی دلا دی۔
3. یوں وہ بوجھ اتر گیا جو کبھی تھا ہی نہیں۔
جو بوجھ میں اپنے کاندھوں پر محسوس کرتا تھا، وہ دراصل وہم کا بوجھ تھا۔ مرشد نے اسے مٹا دیا۔
4. اس وہمی وجود کی حالت پر رونا آتا ہے جو شعورِ دوئی سے مغلوب ہو جاتا ہے۔
جب انسان حقیقتِ واحد سے غافل ہو جاتا ہے، اور خود کو خدا سے دور سمجھتا ہے، تو اس کا وجود مایوسی اور فنا کی طرف چل پڑتا ہے۔
5. جو حقیقت سے غافل رہے، اس کا مقدر فنا ہے۔

جو شخص اپنی اصل کو نہ پہچانے، وہ فانی مخلوقوں میں گم ہو کر خود کو فنا کے حوالے کر دیتا ہے۔

6. "ذات" ایک ہے جو ان گنت تعینات میں جلوہ گر ہے۔

صوفیانہ حقیقت یہ ہے کہ ساری کثرت کے پیچھے وحدت ہی قائم ہے، اور ہر مظہر اسی ایک ذات کا عکس ہے۔

7. صورتیں مختلف، حقیقت ایک۔

بظاہر تمام اشیاء جدا ہیں، مگر ان کی اصل، ان کی حقیقت، ایک ہی ہے – ذاتِ الٰہی۔

8. مرشد نے سکھایا کہ "الف" ہر حرف میں جلوہ گر ہے۔

الف – اللہ ، ہر چیز کی بنیاد ہے، ہر حرف اسی کے جلوے کا پرتو ہے۔

9. جب دھیان کیا تو سب صورتیں مٹ گئیں، صرف الف باقی رہا۔

باطنی نگاہ نے ظاہر کو پسِ پردہ کیا، اور حقیقتِ واحد "الف" اپنی سچائی کے ساتھ سامنے آ گیا۔

10. پھر الف کو ہر وجود میں مشہود پایا۔

ہر شے، ہر مظہر، ہر وجود میں اس کی جھلک دیکھی۔ نہ کوئی پردہ رہا، نہ کوئی دوری۔

11. نفس میں جھانکا تو فرق مٹ گئے، شاہد و مشہود ایک ہو گئے۔
خودی کے پردے اٹھے تو مشاہدہ ذات سے ہوا؛ جو دیکھنے والا تھا، وہی نظر آنے والا بھی نکلا۔
12. میں قربان جاؤں اپنے مرشد پر جس نے الف کا ذکر اور فکر عطا کیا۔
وہ مرشد، جس نے نہ صرف الف کا نام سکھایا، بلکہ اس کی حقیقت کی طرف رہنمائی بھی فرمائی۔
13. میں جس غین کی مالا جپتا تھا، مرشد نے اسے عین کر دکھایا۔
ذکرِ زبانی سے ذکرِ حقیقت تک کا سفر کرایا؛ غین سے عین، تصور سے حقیقت تک۔
14. نقطہ مٹا تو ذاکر و مذکور ایک ہو گئے۔
جدائی کا نکتہ جب مٹ گیا، تو ذکر کرنے والا اور ذکر ہونے والا ایک ہی حقیقت بن گئے۔
15. میرے وجود کو نکتہ کے بوجھ سے نجات ملی۔
وہ نکتہ جو میری ہستی کو دور ظاہر کرتا تھا، مرشد کی نگاہ سے مٹ گیا۔
16. جب ذاکر و مذکور ایک ہوئے، تو پھر کون کس کا ذکر کرے؟

وحدت کی منزل پر نہ ذکر باقی رہا، نہ ذاکر – سب کچھ وہی ایک رہا۔

17. جب کوئی "دوسرا" نہ رہا، تو پکار کیسی اور مخاطب کون؟

وحدت کے عالم میں دوئی ختم ہو گئی – اب تو وہی ہے، اور وہی ہے۔

18. جو وجود اُس کی حقیقت کا مظہر بن جائے، وہ نہ زمان و مکان کا پابند رہتا ہے، نہ اسباب کا محتاج۔

جو شخص "الف" میں فنا ہو جاتا ہے، وہ پھر لا مکانی و لا زمانی کا راہی ہو جاتا ہے – وہ مظہرِ حق بن جاتا ہے۔

میں نعرہ مستانہ، میں شوخی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں، پی کر بھی کہاں جانا

تشریح و وضاحت:
یہاں شاعر (صوفی) اپنی کیفیت کو ایسے شخص کی مانند بیان کرتا ہے جو "نعرہ مستانہ" ہے — یعنی اس کی ذات ہی مستی اور وجد میں ڈوبی ہوئی صدا ہے۔ "شوخی رندانہ" کا مطلب ہے کہ وہ رند (عاشقِ حقیقی) کی طرح بے باک اور بے نیاز ہے۔
لیکن اس کی پیاس ایسی ہے جو "پی کر بھی باقی" ہے۔ یہ دنیاوی یا جسمانی پیاس نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی کی وہ پیاس ہے جسے جتنا سیراب کیا جائے، وہ مزید بڑھتی جاتی ہے۔ یہ تشنۂ قربِ الٰہی کی حالت ہے — جس کا دل اللّٰہ کے عشق سے لبریز ہے، مگر قرار پھر بھی نہیں۔

میں طائر لاہوتی، میں جوہر ملکوتی
ناسوتی نے کب مجھ کو اس حال میں پہچانا

تشریح و وضاحت:
"لاہوت" اور "ملکوت" وہ روحانی عوالم (جہان)

ہیں جو مادی دنیا سے ماورا ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ
میں لاہوت کا پرندہ ہوں – یعنی میری حقیقت
جسمانی قید سے آزاد، روحانی ہے۔
"ناسوتی" سے مراد دنیا دار لوگ ہیں جو صرف
جسم و دنیا کو سمجھتے ہیں، باطن سے ناآشنا
ہیں۔ وہ اس روحانی پرواز اور حقیقت کو نہیں
پہچان سکتے۔
یہ ایک صوفی کی شکوہ نما پکار ہے کہ دنیا والوں
نے اس کی حقیقت کو نہ جانا، نہ سمجھا۔

میں سوز محبت ہوں، میں ایک قیامت ہوں
میں اشک ندامت ہوں، میں گوہر یک دانہ

تشریح و وضاحت:
یہاں شاعر اپنی روحانی کیفیات کو بیان کرتا ہے:
"سوز محبت": دل میں عشقِ حقیقی کا وہ درد جو
ہر لمحہ جلاتا ہے۔
"قیامت": یہ سوز اتنا شدید ہے کہ گویا کوئی
قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔
"اشک ندامت": اپنے نفس، گناہوں، اور اللہ سے
دوری پر جو آنسو بہتے ہیں، وہ پاکیزگی اور قرب
کی طرف پہلا قدم ہوتے ہیں۔

"گوہر یک دانہ": شاعر خود کو ایک نایاب موتی سمجھتا ہے — ایک ایسا راز جو ہر کسی کو نہ ملے۔
یہ عاشقِ الٰہی کی اندرونی تڑپ اور توبہ کی سچائی ہے۔

کس یاد کا صحرا ہوں، کس چشم کا دریا ہوں
خود طور کا جلوہ ہوں، ھے شکل کلیمانہ

تشریح و وضاحت:
یہ اشعار تجلیاتِ الٰہی سے معمور ہیں۔
"یاد کا صحرا": اللہ کی یاد میں ایسا گم ہے جیسے ایک لق و دق صحرا ہو، جہاں ہر طرف تنہائی ہو مگر وہ تنہائی بھی ایک عظیم یاد سے آباد ہو۔
"چشم کا دریا": آنکھوں کے آنسو دریا بن چکے ہیں، یہ اشکِ محبت یا اشکِ ندامت ہیں۔
"خود طور کا جلوہ": وہ اپنے آپ کو کوہِ طور پر نازل ہونے والی تجلی کی مانند سمجھتا ہے۔
"شکل کلیمانہ": جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے طور پر مخاطب کیا، ویسے ہی یہ سالک بھی اللہ کی حضوری میں ہے۔
یہ ایک انتہائی قرب اور مشاہدۂ حق کی حالت

ہے۔

میں شمع فروزاں ہوں، میں آتش لرزاں ہوں
میں سوزش ہجراں ہوں، میں منزل پروانہ

تشریح و وضاحت:
"شمع فروزاں": وہ عاشقِ حق ہے جو جلتا ہے مگر دوسروں کو روشنی دیتا ہے۔
"آتش لرزاں": جلنے میں بھی ایک لرزش ہے، ایک درد، جو ہجر کی آگ سے آتی ہے۔
"سوزش ہجراں": اللہ سے فراق کا درد دل کو جلا رہا ہے۔
"منزل پروانہ": پروانے کا سفر آخر شمع میں جل کر ختم ہوتا ہے — صوفی کہتا ہے کہ وہی شمع، وہی منزل، وہی فنا میں کامیابی میری ہستی ہے۔
یہ اشعار فنا فی اللہ (اللہ میں فنا ہونے) کی بلند ترین کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

میں حسن مجسم ہوں، میں گیسوے برہم ہوں
میں پھول ہوں شبنم ہوں، میں جلوہ جانانہ

تشریح و وضاحت:
یہاں جمالِ الٰہی کی تجلی بیان کی گئی ہے۔
"حسن مجسم": میں وہ حسن ہوں جو شکل اختیار کر گیا ہو — یعنی اللہ کی صفتِ جمال کا مظہر ہوں۔
"گیسوے برہم": حسن کی پریشانی اور بکھرا پن بھی پرکشش ہے — یہ صوفی کی کیفیتِ حیرت ہے۔
"پھول اور شبنم": میں نرمی، لطافت، اور تازگی بھی ہوں۔
"جلوہ جانانہ": محبوبِ حقیقی کا جلوہ، وہ جمال جو دلوں کو لبھاتا ہے — وہ ہوں۔
یہ اشعار روحانی جمال کی پرچھائیں ہیں جو اللہ کے حسن سے فیضیاب سالک میں ظاہر ہوتی ہیں۔

میں واصف بسمل ہوں، میں رونق محفل ہوں
اک ٹوٹا ہوا دل ہوں، میں شہر میں ویرانہ

تشریح و وضاحت:
"واصف بسمل": واصف کا مطلب بیان کرنے والا، اور بسمل وہ ہے جو عشق میں ذبح ہو چکا ہو۔
"رونق محفل": ظاہراً لوگ اسے محفل کی زینت

سمجھتے ہیں، مگر...
"ٹوٹا ہوا دل، شہر میں ویرانہ": دل ٹوٹ چکا ہے، اندر ایک ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ یہ دنیا کی محفلیں اس کے لیے بےمعنی ہو چکی ہیں۔
یہ آخری شعر باطنی و ظاہری تضاد کو ظاہر کرتا ہے — صوفی باہر سے خوش، اندر سے ویران ہے، کیوں کہ اس کا دل صرف اللّٰہ کے لیے دھڑکتا ہے۔

شانِ اہلبیتِ اطہارؑ

آیا نہ ہوگا اس طرح رنگ و شباب ریت پر
گُلشنِ فاطمہ کے تھے سارے گُلاب ریت پر
تشریح:
کربلا کی گرم اور بےآب و گیاہ زمین پر وہ حسن و جمال، وہ نورانی چہرے اترے جو جنت کے پھولوں سے بھی بہتر تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؑ کے لعل اور خاندانِ رسولﷺ کے افراد اس ریت پر سجے جیسے کسی گُلشن کے گلاب ہوں۔

جانِ بتولؑ کے سِوا کوئی نہیں کھِلا سکا
قطرۂ آب کے بغیر اتنے گُلاب ریت پر
تشریح:
حضرت سیدہ فاطمہؑ کے لعل، بغیر پانی کے اس شدید گرمی میں بھی ایسے شاداب رہے جیسے گلاب ہو۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسے حسین کردار پیدا نہ کر سکی۔ یہ صرف اہلِ بیتؑ کا کمال تھا۔

ترسے حُسین آب کو میں جو کہوں تو بے ادب
لمسِ لبِ حُسین کو تَرسا ہے آب ریت پر

تشریح:
یہ کہنا مناسب نہیں کہ حضرت حسینؓ پانی کے پیاسے تھے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود پانی، حضرت حسینؓ کے لبوں کے لمس کو ترس رہا تھا۔ یہ ان کے مقام و مرتبے کی اعلیٰ ترین تصویر ہے۔

عشق میں کیا لُٹائیے عشق میں کیا بچا ئیے
آلِ نبیﷺ نے لکھ دیا سارا نصاب ریت پر
تشریح:
کربلا میں اہلِ بیتؓ نے عشقِ الٰہی کا ایسا عملی مظاہرہ پیش کیا جس سے عشق کا پورا نصاب، پوری کتاب، دنیا کے سامنے آ گئی۔ انہوں نے سب کچھ قربان کر کے عشق کی معراج دکھا دی۔

لذّت سوزش بلالؓ، شوقِ شہادتِ حُسینؓ
جس نے لیا یونہی لیا اپنا خطاب ریت پر
تشریح:
حضرت بلالؓ کی اذیتیں اور حضرت حسینؓ کی شہادت کا جذبہ، یہ وہ نعمتیں ہیں جو دنیا میں ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتیں۔ یہ وہ خطاب (اعزاز) ہے جو صرف ان عاشقوں نے پایا جنہوں نے خود کو ربّ کے لیے فنا کر دیا۔

جتنے سوال عشق نے آلِ رسول ﷺ سے کیے
ایک سے بڑھ کے اِک دیا سب نے جواب ریت پر
تشریح:
عشقِ الٰہی نے جتنے بھی امتحان لیے، اہلِ بیتؑ نے ان سب کا ایسا جواب دیا کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ ہر جواب قربانی، وفا، صداقت اور ایمان سے لبریز تھا۔

آلِ نبی ﷺ کا کام تھا آلِ نبی ﷺ ہی کر گئے
کوئی نہ لکھ سکا ادیب ایسی کتاب ریت پر
تشریح:
کربلا جیسا کارنامہ صرف آلِ رسولؐ ہی انجام دے سکتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے شاعر و ادیب بھی ایسی عظیم داستان کو نہ لکھ سکے، جو اہلِ بیتِ اطہارؑ نے اپنے خون سے ریت پر لکھ دی۔

وسوسے اور طالبِ حق کی پہچان

تمہید

جب کسی طالبِ مولیٰ کا دل سچائی کی طرف
مائل ہوتا ہے،
تو سب سے پہلا پردہ جو راہ میں حائل ہوتا ہے،
وہ "وسوسہ" ہوتا ہے۔
یہی وسوسہ اس کا امتحان بھی بنتا ہے،
اس کے باطن کا آئینہ بھی،
اور بعض اوقات اُس کی سب سے بڑی طاقت
بھی۔

وسوسہ کیا ہے؟

وسوسہ ایک ایسا خیال ہے جو دل میں جنم لیتا
ہے اور بندے کو اپنے بارے میں بدگمانی کرنے لگتا
ہے:
"شاید میں بہانہ بنا رہا ہوں..."
"شاید میری طلب کھوٹی ہے..."
"میں تو سست، کمزور اور ناقابل ہوں..."
یہ خیالات بظاہر منفی محسوس ہوتے ہیں،
لیکن درحقیقت یہ دل کے جاگنے کی علامت ہیں۔
یہ اس بات کی نشانی ہے کہ دل حق کی طرف

مائل ہو چکا ہے
اور مرشدِ کامل کی نگاہ میں آ چکا ہے۔
وسوسہ شیطان کا سب سے پرانا حربہ ہے۔
سب سے پہلے اس نے حضرت آدم علیہ السّلام کو وسوسہ دیا:
"فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ"
پس شیطان نے اسے وسوسہ دیا۔
(الاعراف: 20)
یہ حقیقت ہے کہ شیطان صرف اُسی کو بہکاتا ہے جس میں کچھ حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔
طالبِ صادق کی پہچان
ایک سچا طالب وسوسے سے گھبرا نہیں جاتا،
بلکہ: وہ رب کی طرف رجوع کرتا ہے،
مرشد کی یاد کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے،
اور درودِ پاک کو اپنی روحانی ڈھال بنا لیتا ہے۔
اسے یہ علم ہوتا ہے کہ:
وسوسے آنا کوئی گناہ نہیں،
گناہ تب ہوتا ہے جب بندہ اُن وسوسوں کو اپنا لے۔
جب مرشدِ کامل کی توجہ طالب پر ہو،
تو شیطان وسوسوں کا حملہ تیز کر دیتا ہے،

کیونکہ وہ جانتا ہے:
اگر یہ بندہ مرشد کے فیض سے فیضیاب ہو گیا
تو ہمیشہ کے لیے میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔
مرشد کی نگاہ ایک ایسی تلوار ہے
جو ان نظر نہ آنے والے دشمنوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے –
بشرطیکہ طالب یقین، وفا اور استقامت کے ساتھ
اُس نگاہ سے جُڑا رہے۔

قصۂ درختِ آبِ حیات

حکایت

ایک دانا شخص نے محض امتحاناً ایک شخص سے کہا:
"ہندوستان میں ایک ایسا درخت ہے، جس کا میوہ جو کوئی کھا لے، وہ کبھی نہیں مرتا۔"
یہ بات جب بادشاہ کے کانوں تک پہنچی،
تو وہ اس درخت کا عاشق و دیوانہ ہو گیا۔
فوراً ایک قاصد کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان جا کر اس درخت کو تلاش کرے۔
قاصد برسوں تک ہندوستان کے طول و عرض میں بھٹکتا رہا، لیکن درخت نہ ملا۔
ہر جگہ اسے مذاق کا نشانہ بنایا گیا۔
لوگ کہتے:
"ایسا درخت تو صرف پاگل لوگ ہی تلاش کرتے ہیں۔" وقت گزرنے کے ساتھ وہ تھک ہار گیا،
مایوسی کے عالم میں وطن لوٹنے لگا۔

راستے میں ایک قطب شَیخ سے ملاقات ہو گئی۔
قاصد کی آنکھیں اشکبار تھیں۔
اس نے شَیخ کے حضور عرض کیا:

"اے شَیخ! میں اپنے مقصد میں ناکام ہو چکا ہوں۔
اب آپ کی مہربانی کا وقت ہے!"
شَیخ نے نرمی سے فرمایا:
"بیٹا، تیرا مقصد کیا تھا؟ اور ناکامی کس چیز میں ہوئی؟" قاصد نے بتایا:
"میرے بادشاہ نے مجھے ایک ایسے درخت کی تلاش پر بھیجا تھا
جس کا پھل کھانے سے انسان ہمیشہ زندہ رہے۔
میں نے برسوں تلاش کیا، لیکن ناکام رہا۔"
یہ سن کر شَیخ مسکرا دیے اور فرمایا:
"اے سلیم! وہ درخت دراصل 'علم' ہے۔
علم ہی وہ آبِ حیات ہے جو انسان کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے۔ تو نے علم کو صورت میں ڈھونڈا، اس لیے گمراہ ہوا۔
معنی سے محرومی نے تجھے مقصد سے دور کر دیا!
اس حکایت میں دانا نے علم کو درختِ آبِ حیات سے تشبیہ دی ہے۔
علم کوئی مجرد شے نہیں، بلکہ وہ حقیقت ہے جو اہل علم (علماء) میں جلوہ گر ہوتی ہے۔
علم کا وجود عالم کے بغیر ممکن نہیں۔
علمِ حقیقی وہی ہے جو بندے کو اللہ کی پہچان،

اُس کی رضا، اور سعادتِ دارین تک پہنچا دے۔
دنیاوی علوم محض صنعت و ہنر کے درجے میں آتے ہیں، مگر علمِ دین ہی اصل "آبِ حیات" ہے
جو بندے کو حیاتِ جاوداں عطا کرتا ہے۔
تصوف کی نگاہ میں علم صرف الفاظ یا معلومات کا نام نہیں، بلکہ وہ نور ہے جو قلب کو روشن کرتا ہے، باطن کو بیدار کرتا ہے اور روح کو معرفتِ الٰہی سے سیراب کرتا ہے۔
درختِ آبِ حیات کی تلاش دراصل قلبِ سلیم کی تلاش ہے،
جو مرشدِ کامل کی نگاہِ فیض سے حاصل ہوتا ہے۔
قُرآنِ مجید اس علمِ نافع اور قلبی حیات کی جانب یوں اشارہ فرماتا ہے:

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي ٱلنَّاسِ...
"کیا وہ شخص جو مردہ (یعنی جہالت میں گم) تھا،
تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور بنا دیا، جس سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے...
(سورة الأنعام: 122)

محبت کے بغیر اطاعت منافقت کا سایہ ہے"

اطاعت سے پہلے محبت لازم ہے، کہ اگر دل عشق مصطفٰی ﷺ سے خالی ہو، تو نماز روزہ، حج اور زکوۃ ... سب رسم رہ جاتے ہیں۔
کربلا کا منظر گواہی دیتا ہے، کہ جنھوں نے امام عالی مقام سیدنا امام حسینؓ کو شہید کیا وہی پلٹ کر نماز میں کھڑے ہوئے
درود پڑھا، سجدے کیے، اور اللّٰہ سے رجوع کیا
مگر دل ان کا ظلم سے لبریز تھا۔
زبان پر درود، دل میں بغض اہل بیت ؟
یہ تو عبادت نہیں، یہ تو ظلم کا جُبہ ہے۔
یہ سفاکیت کی حد ہے کیا تم نے کبھی سوچا؟
کہ نماز کیا ہے؟ کیا یہ صرف وضو، قیام، رکوع اور سجدے کا فارمولہ ہے ؟ نہیں! نماز عشق کا اظہار ہے، محبت کی معراج ہے،
اور جب تک دل عشق مصطفٰی ﷺ سے نہ دھڑکے، تب تک نماز صرف حرکات کا نام ہے۔

دین کیا ہے؟
بس ایک معیار ہے:

دین کیا تیرئ الفت کے سوا
دین کا بس اک یہی معیار ہے

جس دل میں محبت رسول ﷺ نہیں،
اس دل کی عبادت وہی غرور بن جاتی ہے
جو ابلیس کو لے ڈوبا، جو امت کو بانٹ رہا ہے۔
نماز کا غرور، سجدے کا تکبر، یہی تو ہے جو
مسجد کو بازار فتنہ بناتا ہے،
جہاں نیا نمازی نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے،
جہاں نمازی خود کو جنتی اور دوسروں کو
دوزخی سمجھنے لگتے ہیں۔
ایسا دین نہ قرآن کا ہے، نہ رسولِ کریم ﷺ کا۔
اگر تمہارے سجدے میں محبت نہیں
تو وہ سجدہ زمین پر بوجھ ہے۔
اگر تمہاری نماز میں رحم نہیں
تو وہ نماز تمہیں صرف ریاکاری سکھا رہی ہے۔
محبت ہو تو دین بنتا ہے،
محبت ہو تو نماز بنتی ہے،
اور جب نبی کریم ﷺ کی سچی محبت دل میں
اتر جائے،تب ہر عبادت حسن عمل بن جاتی ہے۔

توحید
دراصل وہ عظیم راز ہے جو ذاتِ حق سے
پردہ اُٹھنے کے بعد آشکار ہوتا ہے۔
ذاتِ حق نے اَحدیت یعنی محض اپنی ذات سے
وحدت
وحدت سے جبروت
جبروت سے ملکوت
اور ملکوت سے ناسوت میں ظہور فرمایا۔
گویا ذاتِ حق نے ہر عالم ہر مقام ہر ذرہ ہر
مخلوق میں اپنی جھلک اپنا نور رکھ کر کائنات
کو قائم کیا۔
وجود صرف اللہ کا ہے، باقی ہر شے فانی ہے،
معدوم ہے۔
صوفیاء کرامؒ کے نزدیک یہی اصل توحید اور
رسالت ہے:
ہر شے میں حق کی تجلی اور ہر تجلی میں نبی
کریم ﷺ کا عکس۔
اقبال بھی کیا خوب فرما گئے:

بیاں میں نقطۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

آقا کریم ﷺ کی امت کو کامل توحید نصیب ہوئی ہے۔سر سے لیکر پاؤں تک روح سے جسم تک دل و جان سے توحید میں ڈوبی ہوئی ہے۔
نہ خدا نہ خدا سے جدا
جیسے آگ اور چنگاری جیسے طعام اور نمک
حضرت سخی سلطان باہو فرماتے ہیں:
جو بندہ توحید میں محو ہو گیا، وہ بندہ نہیں سراپا اللہ کا مظہر بن گیا۔
اور حضرت سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاری فرماتے ہیں
توحید وہ دریا ہے جس میں عقل ڈوب جاتی ہے، عشق تیرتا ہے، اورعاشق بندہ ذاتِ حق سے ہمکلام ہو جاتا ہے۔" آپ فرماتے ہیں:
اللہ کا قرب صرف زبان سے توحید پڑھنے میں نہیں، بلکہ دل فکر اور عمل میں اللہ کے سوا کسی کا تصور نہ رہے، یہی سچی توحید ہے۔
آپ کی محفل میں توحید کا ذکر ایسا ہوتا کہ سامعین کے دل لرز جاتے، آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور باطن نور الہی سے روشن ہو جاتا۔ یہی وہ توحید ہے جو دل کو شرک خفی سے پاک کر کے بندے کو عبد سے محبوب بنا دیتی ہے

مرشد کا تصور

مرشد کا تصور وہ واحد ہتھیار ہے جو شیطان کے کسی وار کو کامیاب نہیں ہونے دیتا اور حرص و ہوس کی دنیا سے مرشد کامل ہی چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ روحانیت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے کامل مرشد کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ روحانیت میں مرشد کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ بغیر کامل مرشد کی بیعت ہوئے روحانیت کے بارے میں جانا تو جا سکتا ہے لیکن اس پہ چلنا نا ممکن ہے۔

جاگ بنا دودھ جمدے ناہیں
بھانویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ہو۔

کامل مرشد کے بارے میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ کامل مرشد کا چہرہ رب کی صورت ہوتی ہے، اس میں تمام جہانوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر فرمایا جو حق اور کامل مرشد کو الگ جانے، وہ عشق کو نہیں پا سکتا۔ مرشد سے عشق ہی سب کچھ ہے، اسی لیے نیک لوگوں کا فرمان ہے کہ رب نہ ڈھونڈ، مرشد ڈھونڈ"۔

عشق مرشد ہی فنا فی الشیخ، فنا فی الرَّسُول ﷺ
اور فنا فی اللہ ہے۔
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر وقت
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
دیدار کے شائق رہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے دل میں
عشق نبی ﷺ اس قدر تھا کہ دن
رات مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں
بیٹھے رہتے اور بس اپنے محبوب کا دیدار کرتے
رہتے۔
وہی عشق کا چراغ آگے چلتا ہوا اولیاء اور فقراء
تک آیا۔ فقراء میں عشق کی وہی آگ ہے جس کی
نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔
اسی لیے مرشد سے عشق ہی عشق رسول صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق الٰہی کہلاتا ہے۔
حدیث پاک میں آیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مومن کا دل میرا عرش
ہے۔"
حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ
اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق مرشد ہی وہ
چیز ہے جو انسان کو زمین سے اٹھا کر عرش اور
اس کے پار لے جاتی ہے اور دونوں جہانوں سے

آگاہی دیتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر خود آگاہی دیتی ہے۔
مرشد کا تصور وہ واحد ہتھیار ہے جو شیطان کے کسی وار کو کامیاب نہیں ہونے دیتا اور تصور تب ہی قائم ہوتا ہے جب مرشد سے محبت کی جائے قربت میں رہا جائے۔
مَن عَرَفَ نَفْسَہُ فَقَد عَرَفَ رَبَّہُ
جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو)

مقام فنا فِی اللہ اور مرشد کامل کی حقیقت

مرشد کریم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
فقیر کو مقام فنا فی اللہ میں پہنچنے کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں، مگر خاقانی(ایک شاعر) جیسا شخص تیس برس کے بعد ہی یہ کہہ اٹھا کہ ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنا ملکِ سُلَیْمَانؑ سے بہتر ہے۔
یہ بات اس وقت کہی جا سکتی ہے جب انسان فنا فی اللہ ہو چکا ہو، اور یہ مقام بڑی ریاضت عشق قربانی اور روحانی مجاہدے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کی یاد میں ایک سانس لینا بڑی فضیلت رکھتا ہے، لیکن اس سے بھی اہم یہ ہے کہ ایک سانس بھی اللہ کی یاد سے غفلت میں نہ گزرے۔
جیسا کہ
قرآن مجید میں فرمایا گیا:
وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ
اور اپنے رب کو یاد کرو جب تم بھول جاؤ۔
(الکہف: 24)
پس مرشدِ کامل وہی ہے جو تابع رسول ﷺ ہو، اور جس کی نظر طالب پر پڑتے ہی اس کا دل

بیدار ہو جائے، زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو، اور وہ خالص اللہ کا ہو جائے۔
دنیا والے اُسے دیوانہ کہیں، لوگ اُسے بیگانہ سمجھیں، مگر وہ اللہ سے یگانہ ہوتا ہے۔ اس کی زبان پر ایک ہی ترانہ ہوتا ہے
جو کوئی یہ جانے کہ ہم لوگ مخلوق کے رد کیے ہوئے ہیں، سو وہی مخلوق سے رد کیا ہوا ہے۔ فقیر کسی سے رد نہیں ہوتا!

فقیر ذکر اللہ کے سوا کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا
طالب اللہ کو ذکر اللہ کے سوا کسی چیز سے تسکین نہیں ہوتی۔
جس آنکھ نے جمال دوست دیکھ لیا، وہ پھر ساری عمر عشق میں مبتلا رہتی ہے۔ جیسا کہ حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
یاد رکھو! فقیر فنا فی اللہ، صاحب حضور ہوتا ہے۔ وہ وحدانیت الٰہی میں اس طرح غرق ہوتا ہے کہ اس روحانی قوت سے کسی بھی مخلوق کو مجلس محمدی ﷺ میں پہنچا سکتا ہے۔ یہ مقام

صرف زہد و تقویٰ اور ذکر و فکر سے نہیں حاصل ہوتا جب تک کہ مرشد کامل و اکمل کا دست شفقت نصیب نہ ہو۔

مرشد کامل وہی ہے جو طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل مقصود تک پہنچائے۔ اگر کسی میں یہ قدرت نہ ہو، تو اسے "کامل" کہنا غلط ہے، بلکہ وہ راہزن ہے۔ اور راہزن دراصل شیطان کا روپ ہوتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔" (الفتح: 10)

اس لیے چاہیے کہ راہزنوں کو چھوڑ کر جوانمردوں کا ہاتھ تھاما جائے،

کیونکہ

دست مردی گیر تا مردی شوی
جز بہ مرداں نیست را رھبری

جوانمرد کا ہاتھ تھام تاکہ تو بھی جوانمرد ہو جائے، کیونکہ مردان حق ہی رہبر ہوتے ہیں۔

لیکن شرط یہ ہے کہ طالب ہر چیز کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھے۔ اسم اللہ اس کے لیے ہادی ہو، اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ اس کی رہنمائی

کرے۔

شیطان کبھی بھی نبی کریم ﷺ یا اہل ہدایت کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي، مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ

بیشک شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ جس نے مجھے دیکھا، یقیناً اس نے حق دیکھا۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں۔" (الحجر :42)

حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:

فقیر کو دونوں جہان کی خبر نہیں رہتی بلکہ وہ دونوں جانوں سے آزاد ہوتا ہے۔"

وہ ظاہری طور پر دنیا دیکھتا ہے، مگر ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے معراج کے واقعہ میں نبی کریم ﷺ کی شان میں فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى

نہ آنکھ کسی طرف پھری نہ حد س بڑھی۔" (النجم: (17)

فقیر جو فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرتا ہے، وہ حضوری کے مقام میں ہوتا ہے۔ یہ مقام ایسا ہے جس میں وحدانیت اور یگانگت کا شعور غالب ہوتا ہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے مرشد کامل و اکمل کی رہنمائی ضروری ہے، کیونکہ صرف ذکر و فکر اور زہد و تقویٰ سے یہ مقام حاصل کرنا دشوار ہے۔ مرشد، طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے مقصد حقیقی تک پہنچا سکتا ہے، جبکہ جو شخص اس رہنمائی سے محروم ہو، وہ راہزن بن جاتا ہے، اور یہی فرق راہزن اور راہبر کے درمیان ہوتا ہے۔

مرشد کا ہاتھ پکڑنا، طالب اللہ کے لیے اس کی روحانی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔ جواں مردوں کا ہاتھ پکڑنا ضروری ہے، کیونکہ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے:

یاد رکھو کہ طالب اللہ کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھنا چاہیے، تاکہ وہ حقیقت کو سمجھ سکے اور اللہ کے اسم سے ہدایت حاصل کر سکے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ان کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، اور شیطان ان کی صورت اختیار نہیں کر سکتا،

جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا
إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي، مَنْ رَآنِي فَقَد رَأَى الْحَقَّ."
ترجمہ: شیطان میری صورت نہیں بن سکتا، جس نے مجھے دیکھا وہ حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔

ذکر اللہ کی اہمیت
فقیر کی زندگی کا مقصد صرف اللہ کے ذکر میں غرق ہونا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر وہ حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے، اور اس کے لیے مخلوق کی نظر میں وہ بیگانہ یا دیوانہ ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اللہ کے ساتھ یگانہ ہوتا ہے۔ اللہ کے ذکر کی اہمیت کو حضرت سلطان باھُوؒ نے
اس طرح بیان کیا ہے
فقیر فنا فی اللہ کی حالت میں اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں وہ صرف اللہ کی یاد میں غرق ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس کا کوئی تعلق دنیا کے معاملات سے نہیں رہتا۔ اس کی نظریں صرف حقیقت کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، اور وہ اللہ کے ذکر میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ اس کے لیے کسی بھی چیز کی خواہش نہیں ہوتی۔
یہ مقام مرشد کی رہنمائی اور اللہ کی رضا کے بغیر ممکن نہیں

عدم سے لائی ھے ہستی میں آرزوۓ رسول ﷺ

شہیدِ نازِ او بزمِ وجود است
نیاز اندر نہادِ ہست و بود است

ترجمہ:
اس (اللہ) کے حسن کے ناز کا شہید یہ پوری کائنات ہے،
اور ہستی و نیستی کی بنیاد میں اُس کی طلب (نیاز) چھپی ہوئی ہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہ شعر ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حسن ایسا بے مثال ہے کہ اس کے ناز کی ایک جھلک نے وجود کی پوری بزمِ کو جنم دیا۔
یعنی یہ پوری کائنات اسی عشق کے سجدے کا اثر ہے۔ ہر ذرہ، ہر وجود، اُس حسنِ ازلی کے عشق میں فنا ہوا اور پھر اُس کی تجلی سے وجود میں آیا۔
"نیاز" وہ روحانی جذبہ ہے جو بندے کو اس کے رب کے حضور جھکا دیتا ہے، اور "ہست و بود" کی گہرائیوں میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

جس کے دل میں طلبِ حق نہیں، وہ اگرچہ موجود ہے، لیکن حقیقت میں مردہ ہے۔
یہاں شاعر نے عشقِ حقیقی کی معراج کو بیان کیا ہے — کہ "ناز" محبوب کا جمالی پہلو ہے، اور "شہادت" عاشق کی فنا۔
کائنات، درحقیقت ایک عشق ناکامیاب ہے، جو ہر شے کو فانی بنا کر دوبارہ اس کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ عارف کی نگاہ میں ہر وجود، ہر حرکت، ہر زیست — ایک طلب کا پرتو ہے، جو فقط اُسی کی طرف دوڑ رہی ہے۔
حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
"طلب بغیر حق، سب فسانہ ہے۔ طلبِ دیدار، اصل ایمان ہے۔"

نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب
بسیمائے سحر داغِ سجود است

ترجمہ:
کیا تُو نہیں دیکھتا کہ آسمان کے سورج کی تپش سے،
صبح کے چہرے پر سجدے کا نشان ہے؟

صوفیانہ تشریح:
شاعر اشارہ کر رہا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں سجدہ پوشیدہ ہے۔
سورج جب طلوع ہوتا ہے، تو وہ تجلیِ الٰہی کا عکس ہے، اور صبح کا حسن گویا سجدہ ریز ہوتا ہے اُس نور کے سامنے۔
یہ "داغِ سجود" فطرت کا رجوع ہے خالق کی طرف۔ عارف کا دل ہر مظہرِ فطرت میں خدا کی تجلی دیکھتا ہے۔ سورج کی روشنی ظاہراً روشنی دیتی ہے، مگر حقیقت میں یہ "مہرِ الٰہی" کا پرتو ہے جو صبح کو روشن کر کے گویا اُس کے ماتھے پر ایک "سجدہ" ثبت کر دیتا ہے۔
یہ سجدہ اطاعت بھی ہے، عشق بھی، اور فنا بھی۔
مرشد کریمؒ فرماتے ہیں
کائنات کا ہر ذرہ تسبیح میں مشغول ہے، اگر تُو دیکھنے والی آنکھ رکھتا ہو۔

دلِ من روشن از سوزِ درون است
جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خون است

ترجمہ:
میرا دل میرے اندر کے درد سے روشن ہے،
اور میری آنکھ، جو دنیا کو دیکھتی ہے، خون کے
آنسو بہاتی ہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہاں عاشقِ حق کی باطنی کیفیت بیان کی گئی
ہے۔ یہ دل جلتا ہے اُس جدائی میں، اور اسی سوز
سے دل کی روشنی جنم لیتی ہے۔ یہ سوزِ عشق،
دراصل وصال کا دروازہ ہے۔ اور جو آنکھ کائنات
کو دیکھتی ہے، وہ فراقِ محبوب میں اشکِ خون
بہاتی ہے — کیونکہ ہر شے فانی ہے، مگر دل کو
محبوبِ باقی چاہیے۔
صوفی جب اللّٰہ کی طرف سفر کرتا ہے، تو اُس کا
باطن تڑپتا ہے۔ یہ تڑپ، یہ سوز، کوئی ظاہری رنج
نہیں بلکہ "حقیقی فراق" کا احساس ہے۔
یہی سوز دل کو روشن کرتا ہے، اور آنکھ کو رونے
پر مجبور کرتا ہے۔ آنکھ کا خون کے آنسو بہانا وہ
کیفیت ہے جو صرف اُن عاشقوں کو حاصل ہوتی
ہے جنہوں نے "حق" کی جھلک دیکھی ہو اور پھر
جدا ہو گئے ہوں۔
حضرت رابعہ بصریؒ کی یہ کیفیت مشہور ہے:

"یا اللہ! اگر میں تیری محبت میں نہ روؤں، تو پھر کس درد پر روؤں؟"

ز رمزِ زندگی بیگانہ‌تر باد
کسے کو عشق را گوید جنون است

ترجمہ:
وہ زندگی کے راز سے مزید دور ہو جائے،
جو عشق کو دیوانگی کہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہاں شاعر اعلان کر رہا ہے کہ جو شخص عشقِ حقیقی کو پاگل پن کہے، وہ دراصل زندگی کی اصل حقیقت سے بے خبر ہے۔
زندگی کا راز "عشق" ہے، اور عشق ہی وہ چراغ ہے جو کائنات کو روشنی دیتا ہے۔
عشق وہ قوت ہے جو بندے کو "خودی" سے نکال کر "حق" میں فنا کر دیتا ہے۔
اور جو لوگ اسے جنون سمجھتے ہیں، وہ صرف ظاہر کے قیدی ہیں، باطن کے رازوں سے محروم۔
تصوف میں "عشق" جنون نہیں، بلکہ شعورِ

حقیقی ہے۔ یہ جنون نہیں، بلکہ انتہا درجے کی ہوش مندی ہے — وہ ہوش جو عقلِ عامہ سے ماورا ہے، اور حق کے شعور میں پگھل چکی ہے۔

مرشد کریمؒ فرماتے ہیں
"عشق عقل کو بے کار کرتا ہے، لیکن دیدار کے قابل بنا دیتا ہے۔"
پس جو عشق کو جنون سمجھے، وہ ناسمجھ ہے۔ وہ زندگی کے رمز (سرّ الٰہی) سے ناآشنا ہے۔

بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق
براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق

ترجمہ:
باغوں کو عشق بہار کی بادِ نسیم عطا کرتا ہے، اور صحراؤں کو بھی عشق ستاروں جیسے غنچے دیتا ہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہ شعر عشقِ حقیقی کی فیاضی اور تاثیر کو بیان کرتا ہے۔ جہاں سب کچھ مرجھایا ہو، وہاں عشق بہار بن جاتا ہے۔ جو زمین بنجر ہو، عشق اسے بھی

سبزہ زار بنا دیتا ہے۔
"باغ" اہلِ دل کی مثال ہے، اور "صحرا" وہ جو دل کے نور سے خالی ہیں — لیکن عشق اُن پر بھی کرم کر کے نور بھر دیتا ہے۔
عشق صرف اپنے محبوب کو نہیں نوازتا ، بلکہ جو اُس کے قریب ہو جائے، اُس پر بھی بارش بن کر برستا ہے۔ یہ عشق جب دل میں آتا ہے، تو انسان کا اندر باغ بن جاتا ہے، اور اگر وہ صحرا ہو — یعنی گناہوں یا غفلت سے بھرا ہو — تو بھی عشق کے فیض سے اس میں نور پھوٹنے لگتا ہے۔
یہ عشق، حقیقت میں تجلئ الٰہی ہے جو دل پر وارد ہو کر اُسے قابلِ دیدار بناتی ہے۔

شعاعِ مہرِ اُو قلزم شگاف است
بماہی دیدۂ رہ بین دہد عشق

ترجمہ:
اُس (اللہ) کے سورج کی روشنی سمندروں کو چیر دیتی ہے،
اور مچھلی کو عشق راستہ دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہاں عشق کی قوت کو ایک زبردست روحانی استعارے سے بیان کیا گیا ہے۔
"مہرِ اُو" یعنی اللہ کی تجلی، سورج کی شعاع کی مانند ہے جو سمندروں (یعنی گہرے اسرار و رموز) کو بھی چیر دیتی ہے۔
اور وہی عشق اندھیری گہرائیوں میں تیرنے والی مخلوق کو بھی راستہ دکھاتا ہے — یعنی اندھیرے میں بھی بصیرت عطا کرتا ہے۔ "قلزم شگاف" یعنی سمندر چیرنے والی شعاع، عشقِ الٰہی کی تجلی ہے جو ہر حجاب کو پار کر سکتی ہے۔
اور "ماہی" وہ سالک ہے جو اندھیرے میں رہتا ہے، لیکن عشق اُسے نور عطا کرتا ہے تاکہ وہ اپنی راہ دیکھ سکے۔ یہ عشق دل کی آنکھ کھول دیتا ہے، چاہے وہ کسی بھی حال میں ہو۔
حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں:
"عشق، تاریکی میں نور ہے، اور جہل میں عرفان۔"

عقاباں را بہائے کم نہد عشق
تد رواں را ببازاں سر دہد عشق

ترجمہ:
عشق عقابوں کو معمولی قیمت دیتا ہے،
اور چیونٹیوں کو طوفانوں میں سر اٹھانے کی
جرآت بخشتا ہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہاں عشق کی نظر میں ظاہری طاقت کی قیمت
کم اور باطنی خلوص کی قیمت زیادہ ہے۔
عشق اُنہیں چُنتا ہے جو خاکسار ہوں، جیسے
چیونٹی — نہ کہ غرور میں اڑتے ہوئے عقاب۔
عقاب طاقت اور خودی کی علامت ہے، جب کہ
چیونٹی عاجزی، انکساری اور مسلسل سفر کی۔
عشق کا فیض انہیں ملتا ہے جو خاک پر جھکے
ہوں، نہ کہ بلند پرواز خود پسندوں کو۔
فرمان مرشد کریمؒ
"سر بلندی خاکساری میں ہے۔"
عشق کی نگاہ میں وہی بلند ہے جو فنا ہوا، اور جو
باقی رہنا چاہے، وہ گر گیا۔

نگہ دارد دل ما خویشتن را
ولیکن از کمینش بر جہد عشق

ترجمہ:
ہمارا دل خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے،
مگر عشق اُس کی گھات لگا کر چھلانگ مار دیتا
ہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہاں عقلی احتیاط اور عشق کی بےاختیار حرکت
کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ عقل چاہتا ہے کہ خود کو
محفوظ رکھے، اپنی شناخت، اپنی مرضی قائم
رکھے — مگر عشق، اُس کے اندر چھپ کر موجود
ہوتا ہے، اور موقع ملتے ہی اُس پر غالب آ جاتا ہے،
اور بندے کو بےخودی کے سفر پر ڈال دیتا ہے۔
یہی وہ مقام ہے جہاں "عقل کہتی ہے بچ بچا کے
چل، عشق کہتا ہے کہ جا گر پڑ"۔
عشق کا حملہ پوشیدہ ہوتا ہے، جیسے کوئی
کمین گاہ میں بیٹھا ہوا ہو۔ اور جب بندہ خود کو
سنبھالنے میں لگا ہوتا ہے، عشق اُسے فنا کی طرف
کھینچ لیتا ہے

بہ برگِ لالہ رنگ آمیزی عشق
بجانِ ما بلا انگیزی عشق

ترجمہ:
عشق لالہ کے پتوں کو رنگ عطا کرتا ہے،
اور ہماری جان پر بلا نازل کرتا ہے۔

صوفیانہ تشریح:
یہاں عشق کی دوہری فطرت ظاہر کی گئی ہے:
ظاہر میں جمال، اور باطن میں جلال۔
ایک طرف وہ قدرت میں رنگ بھرتا ہے، دوسری
طرف سالک کی جان پر سختی لاتا ہے تاکہ اسے
خالص کر سکے۔
عشق کا کام صرف خوبصورتی دکھانا نہیں، بلکہ
نفس کو جلا کر روح کو چمکانا بھی ہے۔
لالہ وہ گل ہے جو محبت کی علامت ہے، اور عشق
اُسے رنگین بناتا ہے — یعنی حسن کی جلوہ گری
عشق کی بدولت ہے۔
مگر سالک کی راہ میں یہ عشق بلا بن کر آتا ہے
وہ بلا جو دراصل عطا ہے۔
یہ بلا وہی ہے جو حضرت امام حسینؓ پر نازل
ہوئی، مگر اُس بلا سے کربلا جنت بن گئی۔

اگر ایں خاکداں را واشگافی
درونش بنگری خون‌ریزیِ عشق

ترجمہ:
اگر تُو اس خاک کے پردے کو چاک کرے (یعنی ظاہر سے باطن میں اُترے)،
تو اس کے اندر عشق کی خونریزی دیکھے گا۔

صوفیانہ تشریح:
دنیا کی سطح اگرچہ پرسکون و سادہ دکھائی دیتی ہے، لیکن اس کے باطن میں عشق کی تڑپ، قربانیاں، اور سرکشی چھپی ہوئی ہے۔
ہر چیز جو بنی ہے، وہ کسی نہ کسی عشق کی قربانی سے بنی ہے۔
"خونریزیِ عشق" سے مراد وہ کرب و ابتلا ہے جس سے سالک گزرتا ہے۔ عاشق کا سینہ چاک ہوتا ہے، دل زخمی ہوتا ہے، اور وہی زخم اصل نور بن کر چمکتے ہیں۔ یہ وہی باطنی حقیقت ہے جسے حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلام کی چھری، حضرت اسماعیل عَلَیہِ السَّلام کی گردن، حضرت امام حسینؓ کا کربلا،
اور صوفیاء کی ریاضتیں ظاہر کرتی ہیں۔

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است
نہ ہر کس بر محبت سازگار است

ترجمہ:

نہ ہر شخص محبت کا سرمایہ رکھتا ہے،
اور نہ ہر شخص محبت کے لائق ہوتا ہے۔

صوفیانہ تشریح:

محبت ایک عطا ہے، ہر کسی کو نہیں ملتی۔
یہ دولت خاص دلوں کو نصیب ہوتی ہے۔
اور کچھ دل ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس نعمت کے اہل نہیں ہوتے، وہ یا تو خودغرض ہوتے ہیں یا ظاہری دنیا میں الجھے رہتے ہیں۔ یہاں صوفی یہ کہنا چاہتا ہے کہ عشق، محبتِ الٰہی، ایک انتخاب ہے۔ ہر انسان کی فطرت میں یہ گنجائش نہیں ہوتی کہ وہ محبوبِ حقیقی کو پا سکے یا اُس کے لیے فنا ہو سکے۔ محبت ایک سوز ہے، اور اس کے لیے ظرف درکار ہے
دل وہی پاک ہوتا ہے جو عشق کا بوجھ اُٹھا سکے۔

بروید لالہ باداغِ جگر تاب
دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است

ترجمہ:

لالہ وہی اُگتا ہے جس کے اندر جگر کا داغ ہو

(یعنی سوز و درد ہو)،
اور بدخشاں کا یاقوتی دل اگر بے شرار ہو، تو وہ بےوقعت ہے۔

صوفیانہ تشریح:
لالہ، جو عشق کا استعارہ ہے، صرف اُسی زمین میں اُگتا ہے جو جگر کے داغ سے گرم ہو — یعنی جس میں درد، سوز، اور تپش ہو۔
اگر کسی کا دل یاقوت جیسا قیمتی بھی ہو، لیکن اُس میں سوزِ عشق نہ ہو، تو وہ محض پتھر ہے، نہ کہ دلِ مومن۔
یہ شعر حضرت سلطان باھوؒ کی اس تعلیم کی تفسیر ہے کہ:
"دل بے درد، دل نہیں، سنگِ خارا ہے!"
عشق کے بغیر ہر رنگ، ہر قیمتی چیز بےمعنی ہے۔
دل اگر عشق کی گرمی سے خالی ہے تو وہ فقط خون کا ٹکڑا ہے، نہ کہ معرفت کا مقام۔

دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم
نمی دانم چہ می خواہم چہ جویم

ترجمہ:
اس گلشن (دنیا) میں میں خوشبو کی طرح
پریشان (بکھرا ہوا) ہوں،
مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کیا
ڈھونڈ رہا ہوں۔

صوفی تشریح:
یہ کیفیت اس سالک کی ہے جو عشقِ الٰہی کی
راہوں میں گم ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں میں
موجود ہے، مگر دنیا کا نہیں۔
جیسے خوشبو ہوا میں بکھر جاتی ہے، ویسے ہی
وہ ذاتِ حق کی تلاش میں فنا ہوتا جا رہا ہے۔
عاشق کی زبان پر سوال نہیں ہوتا، صرف سوز
ہوتا ہے۔ یہ وہ روحانی مقام ہے جہاں سالک کی
"طلب" خود اس کے فہم سے بلند ہو جاتی ہے۔
اسے نہ منزل کا ہوش ہے، نہ راستے کی خبر۔
بس ایک جذب ہے، ایک کشش ہے، جو دل کو
بےقرار رکھتی ہے۔

بر آید آرزو یا بر نیاید
شہیدِ سوز و سازِ آرزویم

ترجمہ:
چاہے میری آرزو پوری ہو یا نہ ہو،
میں تو آرزو کے سوز و ساز میں شہید ہو چکا
ہوں۔

صوفی تشریح:
یہاں عاشق اپنی طلب کی کامیابی یا ناکامی کی
پروا نہیں کرتا۔ اسے تو محبوب کی طلب میں جلنا
ہے، پگھلنا ہے، فنا ہونا ہے۔
وہ راستے کی آگ میں جل کر بھی راضی ہے، کہ
یہی اس کی حقیقت ہے۔ یہی مقام رضا ہے، جہاں
سالک کہتا ہے: میری دعا پوری ہو یا نہ ہو، میرا
سجدہ قبول ہو یا نہ ہو، میں تو جلنے کے لیے آیا
ہوں

جہاں مشتِ گِل و دل حاصلِ اوست
ہمیں یک قطرہ خوں مشکلِ اوست

ترجمہ:
یہ دنیا مٹی کا ایک مٹھی بھر ڈھیر ہے، اور اس
کی اصل حاصل "دل" ہے،
اور اس دل کا ایک قطرہ خون بھی بہت مشکل

سے ہاتھ آتا ہے۔

صوفی تشریح:
یہ دنیا ظاہراً بہت کچھ ہے، لیکن حقیقت میں صرف مٹی ہے۔ اس کا سب سے قیمتی جوہر "دل" ہے — اور وہ دل بھی ایسا جو عشق سے خالی نہ ہو۔ لیکن ایسا دل، جو ایک قطرہ "خونِ عشق" سے بھی معمور ہو، بہت نایاب ہے۔
یہاں شاعر، عارفانہ نکتہ سمجھا رہا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی دولت دل ہے — وہ دل جو رب کی محبت سے جلا ہوا ہو۔
جسم تو خاک ہے، مگر عشق سے روشن دل ہی انسان کا اصل مقام ہے۔
یہی "قطرۂ خوں" وہ روحانی سرخ رنگ ہے جو شمعِ عشق کو جلاتا ہے۔

نگاہِ ما دو بیں افتاد ورنہ
جہاں ہر کسے اندر دلِ اوست

ترجمہ:
ہماری نگاہ دوئی میں پڑ گئی، ورنہ
ہر شخص کا جہان تو اسی کے دل کے اندر ہے۔

صوفی تشریح:
یہاں "نگاہِ ما دو بیں" کا مطلب ہے: ہماری نظر دوئی، تضاد اور ظاہر پرستی کی عادت میں مبتلا ہو گئی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سارا جہان انسان کے دل میں موجود ہے — وہ دل جو خدا کا عرش ہے۔
مرشد کامل کی تعلیم یہی ہے کہ "دل کو پہچان، دل ہی درِ حق ہے۔"
اگر ہماری نظر باطن بین ہو جائے، تو ہمیں دوسروں میں جدائی نظر نہ آئے۔
ہم سب ایک ہی نور کے پرتَو ہیں — اختلاف صرف "نظر" کا ہے، اصل حقیقت میں وحدت ہے۔

سحری گفت بلبل باغباں را
دریں گل جز نہالِ غم نگیرد

ترجمہ:
صبح کے وقت بلبل نے مالی سے کہا:
اس باغ میں کوئی پھول نہیں کھلتا مگر غم کا پودا۔

صوفی تشریح:
یہ دنیا کا باغ ظاہری خوشبو اور رنگوں سے بھرا ہے، لیکن سالکِ حق جب اسے دل سے دیکھتا ہے تو
ہر پھول میں غم کی پرچھائیں پاتا ہے
غمِ فراق، غمِ طلب، غمِ حق۔
یہی غم دراصل عشق کا دروازہ ہے۔
یہ وہ غم ہے جو بلبل کو نغمہ سکھاتا ہے،
اور سالک کو فنا فی اللّٰہ کی راہ پر لے جاتا ہے۔
دنیا کا ہر جمالی منظر، دراصل وصال سے پہلے کا کرب ہے۔

بہ پیری می رسد خارِ بیاباں
ولے گل چوں جواں گردد بمیرد

ترجمہ:
بیابان کا کانٹا بڑھاپے کو پہنچتا ہے (یعنی دیرپا ہوتا ہے)،
مگر گُل (پھول) جب جوان ہوتا ہے تو مرجھا جاتا ہے۔

صوفی تشریح:
یہ ایک گہرا استعارہ ہے۔

دنیا کی عارضی خوبصورتی (گُل) بہت جلد مر جاتی ہے، جبکہ سختی، رنج اور کانٹے (یعنی دنیا کی تلخ حقیقتیں) دیرپا ہوتی ہیں۔
یہی تلخیاں انسان کو حقیقت تک پہنچاتی ہیں۔
عشق و طلب کا راستہ پھولوں کا نہیں، کانٹوں کا راستہ ہے۔
جو پھولوں میں جیتا ہے، وہ جلد مرجھا جاتا ہے (یعنی حقیقت سے دور ہو جاتا ہے)۔
مگر جو کانٹوں کو سہتا ہے، وہ معرفت کے باب میں داخل ہوتا ہے۔ یہی فنا کی راہ ہے، یہی بقا کا دروازہ۔

جہانِ ما کہ نبود است، بودش
زیانِ تو ام ہمی زاید بسودش

ترجمہ:
ہمارا یہ جہاں تو پہلے کچھ نہ تھا، پھر وجود میں آیا
تیرے ظاہری خسارے سے ہی اس کا فائدہ جنم لیتا ہے۔

صوفی تشریح:
یہ دنیا عدم (نہ ہونا) سے وجود میں آئی،
اور انسان کے "خسارے" یعنی فنا، قربانی، ترکِ انا
سے ہی حقیقت کا دروازہ کھلتا ہے۔
تیری دنیاوی محرومی ہی تیری روحانی کمائی ہے۔
یہی اصل رازِ عشق ہے:
جب سالک اپنی ذات کو، اپنے نفس کو، اپنی
خودی کو فنا کرتا ہے
تب ہی باطن میں "بود" (وجودِ حق) پیدا ہوتا ہے۔
خسارہ اگر اللہ کے لیے ہو، تو وہی اصل نفع ہے۔

کُہن را نو کن و طرحِ دگر ریز
دلِ ما برنتابد دیر و زودش

ترجمہ:
پرانی چیزوں کو نیا بنا اور نئی ترتیب اختیار کر
ہمارا دل دیر یا جلدی کے حساب کو برداشت نہیں
کرتا۔

صوفی تشریح:
سالک کا دل وقت کی قید سے آزاد ہوتا ہے
وہ نہ ماضی کی زنجیر میں جکڑا ہے اور نہ

مستقبل کی فکر میں۔ حقیقی دل فقط "حالِ حق" میں زندہ ہوتا ہے۔
یہاں "کُہن" سے مراد پرانے خیالات، عادات، اور نفس کے نقشے ہیں۔
عاشقِ حق ان سب کو ترک کر کے "نو" (تازہ روحانیت) اختیار کرتا ہے۔
دیر و زود اُسی کے لیے ہے جو وقت میں جیتا ہے، جو دل اللہ میں فنا ہو، وہ ہر لمحہ ابدی نور میں ہے۔

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم

ترجمہ:
عشق کے نغمے کا ساز انسان ہے
یہ راز کو کھولتا ہے، بلکہ انسان خود ہی ایک راز ہے ۔

صوفی تشریح:
انسان عشق کا ساز ہے
یعنی انسان ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے عشق اپنی آواز پاتا ہے۔ اور یہی انسان خود ایک ایسا

راز ہے جو عشق سے ہی کھلتا ہے۔ آدم عَلَیہِ السَّلام کو اللہ نے اپنی روح سے پیدا کیا۔ وہ خود سراپا راز ہے:

کبھی وہ مٹی کا پتلا کبھی نور کا پرتَو
اور جب عشق کی چنگاری پڑے، تو وہ "مظہرِ حق" بن جاتا ہے۔
یہی انسان کی اصل ہے: عشق، راز، اور نور۔

جہاں اُو آفرید ایں خوب تر ساخت
مگر با ایزد انبار است آدم

ترجمہ:
اللہ نے یہ جہان پیدا کیا اور اسے بہت خوبصورت بنایا،
لیکن (اس سب کے باوجود) انسان اللہ کے لیے ایک خزانہ (انمول خزینہ) ہے۔

صوفیانہ تشریح :
یہ شعر انسان کی روحانی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی حقیقی قدر کو بیان کرتا ہے۔ صوفیاء کرامؒ اس شعر سے درج ذیل مفاہیم کشید کرتے ہیں:

1. تخلیقِ کائنات کا حسن:
پہلا مصرع کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بے حد خوبصورت اور حسین بنایا — آسمان، زمین، ستارے، سمندر، پہاڑ، پھول، جانور، سب کچھ اپنی شان و شوکت کے ساتھ۔
یہ اللہ کی ظاہری صفاتِ جمال کا اظہار ہے۔
2. انسان — اللہ کا راز اور خزانہ:

دوسرا مصرع کہتا ہے:
"مگر (یاد رکھو) اللہ کے لیے اصل خزانہ تو انسان ہے۔"
یہاں انسان کو "انبار" یعنی خزانہ کہا گیا ہے۔
صوفیاء کے نزدیک انسان صرف گوشت پوست کا جسم نہیں، بلکہ روحِ الٰہی کا حامل ہے۔
حدیثِ قدسی ہے:
كُنتُ كَنزًا مَخْفِيًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ، فَخَلَقْتُ الخَلْقَ۔

"میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔"

صوفیاء کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مظہر انسانِ کامل ہے، کیونکہ اللہ کی صفات، اس کی معرفت

اور اس کا جمال سب سے زیادہ انسان میں جھلکتے ہیں،

نہ من انجام و نے آغاز جویم
ہمہ رازم جہان راز جویم

ترجمہ:
نہ میں انجام تلاش کرتا ہوں، نہ آغاز،
میں تو ہر راز میں صرف رازِ جہاں تلاش کرتا ہوں۔

صوفیانہ تشریح:
یہ مصرع ایک کامل سالک کی زبان ہے، جو ظاہری ابتدا و انتہا سے ماورا ہو چکا ہے۔
عارف کے نزدیک نہ آغاز کچھ معنی رکھتا ہے نہ انجام؛ کیونکہ وہ زمان و مکان کی حدود سے نکل کر حقیقتِ ازل میں محو ہو چکا ہے۔
اسے دلچسپی ہے تو صرف راز سے — وہ راز جو وجودِ مطلق کے ہر پردے میں چھپا ہے۔
عارف کی نگاہ میں کائنات ایک دروازہ ہے، لیکن اصل در "رازِ کُن" کی طرف کھلتا ہے۔
وہ ہر شے کو دیکھ کر صرف اس کا سرّ (راز) پانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہی طلب اُسے ظاہری حقائق سے اٹھا کر باطن کے
نور تک لے جاتی ہے۔

گر از روئے حقیقت پردہ گیرند
ہمان بوک و مگر را باز جویم

ترجمہ:
اگر حقیقت کے چہرے سے پردہ بھی ہٹا دیا جائے،
میں پھر بھی اُسی "بو" اور "مگر" (اشاروں) کی
تلاش میں رہوں۔

صوفیانہ تشریح:
یہاں شاعر عشق کی شدتِ طلب کو بیان کرتا ہے۔
فرماتے ہیں کہ اگر حقیقت سامنے آ بھی جائے،
تب بھی اُس کی روح کو ظاہری دیدار پر قرار
نہیں آتا —
وہ تو اشاروں، خوشبوؤں، آثر اور سرگوشیوں میں
اُس محبوب کو ڈھونڈتا ہے۔
یہ وہ مقام ہے جہاں عشق معرفت میں بدلتا ہے۔
کیونکہ اہلِ عشق حقیقت کو دیکھ کر بھی اُسے
مزید پردوں میں تلاش کرتے ہیں —
کہ شاید اس سے بھی آگے کوئی حقیقت ہو۔

"بوک" یعنی خوشبو، اور "مگر" یعنی رموز،

دلا نارائی پروانہ تا کے
نگیری شیوہ مردانہ تا کے

ترجمہ:
اے دل! کب تک اس پروانے جیسی کمزوری دکھاتا رہے گا؟
کب تک مردانہ (دلیرانہ) طریقہ اختیار نہ کرے گا؟

صوفیانہ تشریح:
یہ خطاب عاشق کے دل سے ہے، جو ابھی تک صرف پروانے جیسا ہے —
ظاہر پر مرنے والا، جلنے کو ہی فنا سمجھنے والا۔
لیکن ولی اور عارف پروانے سے آگے جاتا ہے۔
پروانہ شمع پر جل کر ختم ہو جاتا ہے،
لیکن مردِ حق شمع بن کر دوسروں کو جلاتا ہے۔
"شیوۂ مردانہ" وہ صوفیانہ طریق ہے
جو عشق میں فنا سے بقا تک کا سفر طے کرتا ہے،
جس میں قربانی، استقامت، حوصلہ، اور خاموش معرفت ہے۔

یکے خود را بسوز خویشتن سوز
طواف آتش بیگانہ تا کے

ترجمہ:
اپنے آپ کو جلا، اپنے نفس کو راکھ کر دے،
یہ بیگانہ آگ کا طواف کب تک کرتا رہے گا؟

تشریح:
یہ شعر انسان کو اپنے باطن کی اصلاح کا پیغام دیتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ تو کب تک دوسروں کی آگ (یعنی دنیاوی لذتوں، تقلیدِ غیر، نفس و شیطان کی پیروی) کے گرد چکر لگاتا رہے گا؟ اصل کام یہ ہے کہ تُو اپنی باطنی آگ کو جلا، اپنے نفس کو فنا کر، تاکہ حقیقی قربِ الٰہی حاصل ہو۔ طوافِ غیر کو چھوڑ، اور اپنی باطنی آگ سے عشقِ حقیقی کی روشنی حاصل کر۔

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے

ترجمہ:
مٹی کے ایک مُٹھی بھر ذرے سے ایسا جسم پیدا

کر
جو پتھریلی دیواروں سے بھی زیادہ مضبوط ہو۔

تشریح:
یہاں شاعر انسان کو اپنی خودی کو بلند کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اگرچہ تُو خاک (مٹی) سے پیدا ہوا ہے، لیکن اپنی روحانی طاقت سے ایسا پختہ اور محکم انسان بن جا کہ دنیا کی سختیاں تجھے متزلزل نہ کر سکیں۔ مرشد کامل کی نگاہ، اللہؑ کی یاد، اور ریاضت کے ذریعے تُو اپنے وجود کو اس قدر پختہ کر سکتا ہے کہ وہ ظاہری جسم نہیں بلکہ معنوی قلعہ بن جائے۔

درونِ او دلِ درد آشنائے
چو جوے در کنارِ کوہسارے

ترجمہ:
اس (محکم) جسم کے اندر ایک ایسا دل پیدا ہو جو درد آشنا ہو، جیسے پہاڑوں کے دامن میں بہتی ہوئی ندی۔

تشریح:
یہاں شاعر نے روحانیت کا عروج بیان کیا ہے۔
محکم جسم کے اندر ایک دل ہونا چاہیے جو
محبتِ الٰہی کا درد رکھتا ہو، انسانیت کا درد
رکھتا ہو۔ ایسا دل جس میں تسلسل ہو، نرمی ہو،
پاکیزگی ہو، جیسے پہاڑوں کے دامن میں بہنے
والی صاف، میٹھی اور مسلسل بہتی ہوئی ندی۔
دل اگر درد سے آشنا ہو جائے تو وہی قربِ حق کا
ذریعہ بنتا ہے۔

ز آب و گِل خدا خوش پیکرے ساخت
جہانے از ارم زیبا ترے ساخت

ترجمہ:
اللّٰہ تعالیٰ نے پانی اور مٹی سے ایک خوبصورت
پیکر (انسان) بنایا
اور اس سے ایک ایسا جہان خلق کیا جو جنتِ ارم
سے بھی زیادہ حسین تھا۔

تشریح:
یہ شعر انسان کی تخلیق کے جمالیاتی اور روحانی
پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔

"آب و گِل" یعنی پانی اور مٹی، جو مخلوقاتِ عالم میں سب سے سادہ اور کمتر سمجھی جاتی ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا شاہکار تخلیق فرمایا جو اپنی صورت میں بھی خوبصورت ہے اور اپنی سیرت و باطن میں نورِ خداوندی کا مظہر ہے۔

"جہانے از ارم زیبا ترے ساخت" کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تخلیق محض ظاہری جسم نہیں، بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ نوری جوہر رکھ دیا جو اسے جنت سے بھی زیادہ حسین بنا دیتا ہے۔
جنت ظاہری انعام ہے، لیکن انسان کے اندر قربِ الٰہی، معرفت، اور عشقِ حقیقی کا راز ہے، جو اسے "اشرف المخلوقات" بناتا ہے۔

ولے ساقی باں آتش کہ دارد
ز خاک من جہان دیگرے ساخت

ترجمہ:
لیکن ساقی (مرشدِ کامل یا ربّ کریم) نے جو آتش (عشق و فیض) عطا کی
اسی خاک (انسان) سے ایک نیا جہان پیدا کر دیا۔

تشریح:
یہ شعر تصوف کے مرکز "عشقِ الٰہی" کو واضح کرتا ہے۔
یہ "آتش" عشقِ حقیقی ہے — وہ باطنی آگ جو سالک کے دل میں سلگتی ہے، جس سے وہ نفس، دنیا، اور غیر اللہ سے پاک ہو جاتا ہے۔
یہ عشق انسان کو اس کی محدود خاکی حیثیت سے نکال کر باطنی، نورانی، اور لافانی جہان میں پہنچا دیتا ہے۔
یہی "جہانِ دیگر" وہ روحانی مقام ہے جہاں سالک فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔
یعنی وہ انسان جو پہلے محض جسم تھا، اب فیض کا سرچشمہ، حق کا مظہر اور مرشدِ کامل کا عکس بن جاتا ہے۔

بہ یزداں روز محشر برہمن گفت
فروغ زندگی تابِ شرر بود

ترجمہ:
روزِ محشر برہمن نے اللہ تعالیٰ سے کہا:
زندگی کی اصل روشنی تو عشق کی چنگاری کی تپش میں تھی۔

تشریح:
یہ شعر قیامت کے دن کی بات کر رہا ہے — جب سب حقیقتیں ظاہر ہو جائیں گی۔
"برہمن" یہاں اُس عارف یا سالک کی علامت ہے جس نے دنیا میں عشقِ الٰہی کے سفر کو اختیار کیا۔ وہ اللّٰہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ زندگی کا اصل حسن، اصل قیمت، اصل مقام صرف اُن لمحوں میں تھا جب دل عشق میں جلتا رہا، نفس کو مارتا رہا، اور یادِ الٰہی میں فنا ہوتا رہا۔
"تابِ شرر" یعنی عشق کی چنگاری کی حرارت، وہی اصل زندگی تھی —
نہ کہ دنیا کی آسائش، مال و جاہ، یا جسمانی عیش۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان سمجھتا ہے کہ زندگی کا جو لمحہ عشق اور دردِ طلب سے خالی تھا، وہ ضائع گیا۔

و لیکن بر نرنجی با تو گویم
صنم از آدمی پاینده تر بود

ترجمہ:
اگر تو ناراض نہ ہو تو ایک بات کہوں؟
بت (صنم) انسان سے زیادہ پائندہ (ہمیشہ رہنے

والا) ہوتا ہے۔

تشریح:
یہ شعر بظاہر ایک حیران کن اور چونکا دینے والا دعویٰ کرتا ہے:
کہ "بت" یعنی ایک بے جان پتھر یا لکڑی کا مجسمہ، انسان سے زیادہ قائم اور دائم ہوتا ہے۔
لیکن اس شعر کو سطحی نظر سے نہیں، بلکہ عرفانی چشمے سے دیکھنا ضروری ہے۔
شاعر کہتا ہے کہ اے مخاطب! میں ایک سچ بات کہنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ تُو ناراض نہ ہو۔
اور وہ سچ یہ ہے کہ:
بت، انسان سے زیادہ پائندہ کیوں؟
1. بت (صنم) مٹی، پتھر یا دھات کا ہوتا ہے، وہ وقت کے ساتھ بدلا نہیں جاتا۔
وہ جیسا بنایا گیا، ویسا ہی رہتا ہے۔
2. انسان بظاہر اشرف المخلوقات ہے، لیکن:
وہ نفس و دنیا کے فریب میں آ کر اپنے اصل سے ہٹ جاتا ہے،
اس کی وفا، ثابت قدمی اور حقیقت پسندی بدلتی رہتی ہے،
وہ باطنی صداقت سے زیادہ ظاہری نمود میں کھو

جاتا ہے۔
یعنی شاعر ایک تمثیل کے ذریعے کہتا ہے:
"وہ بت جو ایک بار بن جائے، ہمیشہ ویسا ہی رہتا ہے، لیکن انسان، جو 'صورۃ الحق' ہے، خود کو بدل دیتا ہے۔
وہ حق سے منہ موڑ لیتا ہے، جھوٹ، ریاکاری، دنیا پرستی میں کھو جاتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ظاہری طور پر وہ 'زندہ' ہوتے ہوئے بھی، اپنی حقیقت کھو بیٹھتا ہے۔"
یہ شعر خود احتسابی، معرفتِ نفس، اور حقیقت کی تلاش کی دعوت دیتا ہے۔
صوفی شاعر ایک گہرا سوال اٹھاتا ہے:
کیا ہم وہی ہیں جو اللہ نے ہمیں بنایا تھا؟
یا ہم اپنے نفس، حرص، اور غفلت کے بت بن چکے ہیں؟

گزشتی تیزگام اے اخترِ صبح
مگر از خوابِ ما بیزار رفتی

ترجمہ:
اے صبح کے روشن ستارے! تُو بہت تیزی سے گزر گیا،

لیکن ہماری نیند سے اکتا کر (بیزار ہو کر) چلا گیا۔

تشریح:
یہاں "اخترِ صبح" یعنی صبح کا ستارہ، ایک علامت ہے روحانی ہادی، مرشد کامل، یا اللہ کی طرف سے آنے والی بیداری کی روشنی کا۔
شاعر کہتا ہے: اے ہدایت کے چراغ! تُو آیا، روشنی لایا، لیکن ہم گہری نیند (یعنی غفلت، دنیا کی مستی، جہالت) میں سوئے رہے۔ ہم میں طلب نہ تھی، تڑپ نہ تھی، جذبہ نہ تھا۔ تُو تیزی سے گزر گیا، ہمیں جگائے بغیر۔ تُو ہماری سستی اور بے حسی سے بیزار ہو گیا اور واپس چلا گیا۔
یہ مصرعہ مرشد کی وقتی حضوری یا کسی الہامی لمحے کے ضائع ہونے کا دکھ بیان کر رہا ہے۔

من از نا آگہی گم کردہ راہم
تو بیدار آمدی بیدار رفتی

ترجمہ:
میں اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے راہِ ہدایت سے بھٹک گیا ہوں،
تو (اے ہادی) جاگا ہوا آیا اور جاگا ہوا ہی واپس

چلا گیا۔

تشریح:
شاعر اپنی روحانی محرومی کا اعتراف کرتا ہے۔
وہ کہتا ہے کہ میری حالت یہ تھی کہ میں نادان تھا، شعور سے خالی، ہدایت سے محروم۔ میں راستہ کھو چکا تھا۔
تب تُو (مرشد، یا الٰہی پیغام، یا کسی عاشقِ حق کی نظر) آیا۔ تُو خود باخبر تھا، تیز فہم، نورانی اور بیدار۔ لیکن میں اپنی غفلت میں اتنا گم تھا کہ تیری حضوری کو نہ سمجھ سکا، نہ محسوس کر سکا — اور تُو واپس چلا گیا۔
یہاں شاعر روحانی موقع گنوانے، مرشد کی پہچان نہ کر سکنے اور اپنی سستی پر ندامت کا اظہار کر رہا ہے۔

تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے
گل ما از شرر بیگانہ بودے

ترجمہ:
محفلِ میخانہ (یعنی روحانی حلقہ یا مرکزِ عشق) شور و جذبے سے خالی تھا،

اور ہمارا پھول (یعنی دل) تو جذبے کی چنگاری
سے بھی بیگانہ تھا۔

تشریح:
"میخانہ" تصوف میں مرشد کی بارگاہ، خانقاہ، یا
محفلِ ذکر کو کہا جاتا ہے۔
شاعر کہتا ہے کہ وہ محفل جسے عاشقوں کا مرکز
ہونا چاہیے تھا، وہ خالی تھی – نہ کسی کی
سسکی تھی، نہ کوئی حال و وجد تھا، نہ کوئی
عشق کی للک۔
اور ہم خود ایسے بن چکے تھے کہ دل میں نہ سوز،
نہ تڑپ، نہ آگ – یعنی ہمارے دل پھول کی طرح
نازک تھے، لیکن اُس میں کوئی شرر (چنگاری،
حرارت، عشقِ الٰہی) نہ تھی۔
یہ شعر روحانی بے حسی، مردہ دلوں اور خشک
محفلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

نبودے عشق و ایں ہنگامہ عشق
اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے

ترجمہ:
اگر دل فقط عقل کی مانند ہوشیار (سمجھدار)

ہوتا،
تو عشق جیسا ہنگامہ کبھی پیدا نہ ہوتا۔

تشریح:
یہاں شاعر عشق اور عقل کے تقابل کو بیان کرتا ہے۔ اگر دل صرف عقل کی طرح سوچتا، ناپ تول کرتا، فائدہ نقصان دیکھتا — تو وہ عشق کے ہنگامے، تڑپ، جنون، اور قربانی کی راہ میں کبھی نہ پڑتا۔
عشق بےخوف، بےخود، بےخطر راستہ ہے — اور اگر دل میں صرف "خِرد" (یعنی عقل) ہوتی، تو یہ راستہ کبھی اختیار نہ کیا جاتا۔
یہ شعر تصوف کے اس بنیادی تصور کو بیان کرتا ہے کہ عشق وہ قوت ہے جو انسان کو حق کی طرف کھینچتی ہے، اور عقل اکثر روکنے والی ہوتی ہے۔ مرشدِ کامل کے عشق میں، یا حق تعالیٰ کی طرف بڑھنے کے لیے — دل کو دیوانہ ہونا پڑتا ہے، عقل کا غلام نہیں۔

ترا اے تازہ پرواز آفرید ند
سراپا لذتِ بال آزمائی

ترجمہ:
اے نَو پرواز! تجھے اس لیے پیدا کیا گیا ہے
کہ تُو سراپا (پورا وجود) اُڑنے کے لطف سے سرشار ہو۔

تشریح:
یہ خطاب ایک نوجوان، نو وارد سالک یا روحانی طالب سے ہو رہا ہے۔
اُسے کہا جا رہا ہے کہ تُو نیا ہے، لیکن تُو اُڑنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے — تُو محض زمین پر رینگنے یا قید رہنے کے لیے نہیں ہے۔
تیری اصل خلقت کا مقصد یہ ہے کہ تُو روحانی بلندیوں کی پرواز کرے، ہمت کرے، بلند ہو، اللہ کی طرف بڑھے۔
"مت گھبرا، تُو اڑنے کے لیے ہے، تیرے اندر وہ صلاحیت رکھی گئی ہے جو تجھے عالمِ بالا تک لے جا سکتی ہے۔"

ہوس ما را گراں پرواز دارد
تو از ذوقِ پریدن پر کشائی

ترجمہ:
ہماری خواہشیں ہمیں بلندی سے روک رہی ہیں،
اور تُو ہے کہ پرواز کے ذوق سے اپنے پر پھیلا رہا ہے۔

تشریح:
یہاں شاعر دو کرداروں کا فرق بیان کرتا ہے:
ایک وہ جو نفس، خواہشات، دنیا کی محبت میں جکڑا ہوا ہے — جس کی پرواز بوجھل ہے، جس کا دل زمین سے چپکا ہوا ہے۔
دوسرا وہ جو عشق کے ذوق، پرواز کی تڑپ میں پر کھول رہا ہے — یعنی طلب، شوق، ہمت، اللہ کی طرف اُڑنے کی لگن۔
یہ شعر اصل میں نفس و روح کی کشمکش بیان کرتا ہے:
نفس دنیا کی طرف کھینچتا ہے، اور روح عشقِ الٰہی کی طرف۔
جو شخص پرواز کرنا چاہتا ہے، اُسے اپنی "خواہشات" کا بوجھ اتارنا ہوگا — تبھی وہ "ذوقِ پریدن" کے ساتھ اُڑ سکتا ہے۔

چہ لذّت یارب اندر ہست و بود است
دلِ ہر ذرّہ در جوش نمود است

ترجمہ:
اے پروردگار! کیسی لذّت ہے اس ہستی اور وجود میں،
کہ ہر ذرّے کا دل جوش و خروش سے لبریز نظر آتا ہے۔

تشریح:
شاعر حیرت اور شکر کے ساتھ ربّ کی طرف متوجہ ہے، اور کہتا ہے:
اے ربّ العالمین! تُو نے جو یہ کائنات پیدا کی، اس میں کیسی بے مثال لذّت، جمال، اور سرور رکھا ہے کہ ہر ذَرّہ (یعنی ہر شے) اپنے اندر ایک قسم کی حرکت، جوش، زندگی اور وجد رکھتا ہے۔

یہ شعر "وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ" (ہر چیز میں اللہ کی ایک نشانی ہے) کا عکس ہے۔
یعنی:
ہر ذرہ، ہر چیز، ہر شے — تیرے وجود کے جلوے سے سرشار ہے۔

یہ کائنات ایک رقص ہے، اور ہر ذَرّہ تیرے عشق کے
وجد میں لرزاں ہے۔

شگافد شاخ را چوں غنچہ گل
تبسّم ریز از شوقِ وجود است

ترجمہ:
جب پھول کی کلی شاخ کو چیر کر باہر آتی ہے،
تو وہ جو تبسم بکھیرتی ہے، وہ وجود کے شوق کا
اظہار ہے۔

تشریح:
یہاں پھول کی "کلی" ایک علامت ہے — روح،
فطرت، یا عشقِ حقیقی کی۔
جب وہ کلی شاخ کو چیر کر باہر نکلتی ہے (یعنی
روح قید سے آزادی پاتی ہے، یا عشق ظہور پاتا
ہے)، تو جو حسن، تبسم، جمال ظاہر ہوتا ہے — وہ
اصل میں وجود کی لذت، حضور کی حضوری، اور
اللہ کی عطا کردہ شوقِ زندگی کا پرتو ہے۔
کلی جب کھلتی ہے، وہ "خالق کی تجلی" کا اعلان
کرتی ہے۔
ہر "پھول کا مسکرانا" — توحید کی گواہی ہے۔

شنیدم در عدم پروانہ می گفت
دمے از زندگی تاب و تبم بخش

ترجمہ:
میں نے سنا، کہ عدم (نیستی) میں بھی پروانہ
کہہ رہا تھا:
"مجھے ایک لمحہ زندگی دے دے، تاکہ میں جلنے
کا لطف پا سکوں!"

تشریح:
یہ ایک حیران کن اور پر کیف تصور ہے۔ شاعر کہتا
ہے کہ میں نے سنا کہ عدم (جہاں کچھ بھی نہیں
تھا) میں بھی پروانہ (جو مجازاً عشق کا نشان
ہے) یہ عرض کر رہا تھا کہ:
"اے خالق! مجھے ایک پل کے لیے زندگی عطا فرما،
تاکہ میں تیرے عشق میں جلنے کا مزہ چکھ
سکوں، یہی میرا مقصود ہے، میری عبادت ہے۔"
یہ شعر عشقِ حقیقی کی معراج کو بیان کرتا ہے:
عاشق کو زندگی فقط "وصالِ یار" کے لیے درکار ہے
نہ کہ مال و دنیا کے لیے۔
پروانہ "عدم" سے پکار رہا ہے، کہ مجھے بس ایک
لمحہ چاہیے، تاکہ خود کو محبوب کے حضور فنا

کر سکوں۔

پریشاں کن سحر خاکسترم را
و لیکن سوز و سازے کشفم بخش

ترجمہ:
اے رب! میری راکھ جیسی بے جان صبح کو بکھیر دے،
لیکن (اس بکھیرنے میں) مجھے ایسا سوز و ساز عطا فرما جو کشف (باطنی آگہی) کا باعث بنے۔

تشریح:
شاعر کہتا ہے:
میری زندگی کی صبح ایک خاکستر (راکھ) بن چکی ہے — جیسے کوئی آگ تھی جو بجھ گئی، کچھ باقی نہیں بچا۔
لیکن میں تجھ سے صرف یہ دعا نہیں کر رہا کہ اسے بدل دے، بلکہ یہ چاہتا ہوں:
تو میرے اندر وہ "سوز و ساز" پیدا کر دے — وہ درد، وہ حرکت، وہ حرارت — جو مجھے کشف (باطن کی روشنی) عطا کر دے۔
یہ ایک سالکِ راہِ حق کی پکار ہے۔

ظاہر مایوس، باطن میں درد —
اور وہ درد ہی کشف و قربِ الٰہی کی راہ بنتا ہے۔
شاعر جانتا ہے کہ بیرونی سکون کچھ نہیں، اصل دولت باطنی سوز و قرب ہے۔

مسلماناں مرا حرفے است در دل
کہ روشن تر ز جانِ جبرئیل است

ترجمہ:
اے مسلمانو! میرے دل میں ایک بات ہے،
جو جبرائیلؑ کی روح سے بھی زیادہ روشن ہے۔

تشریح:
شاعر مسلم امت کو پکار کر کہتا ہے:
میرے دل میں ایک ایسی "حرفِ حق" ہے، ایک ایسا راز، ایک ایسی سچائی — جو نہایت روشن، پاکیزہ اور بلند ہے —
حتیٰ کہ جبرئیل علیہ السّلام کی جان، جو نورانی اور معصوم ہے، اس سے بھی زیادہ روشن۔
یہ شعر باطنی راز، عرفانِ ذات، اور حق کی سچائی کو ظاہر کرتا ہے
جو صرف عقل سے نہیں، عشق، سوز اور معرفت

سے سمجھ آتی ہے۔

نہانش دارم از آزاد نہاداں
کہ ایں سرے ز اسرارِ خلیلؑ است

ترجمہ:
میں اس راز کو اُن آزاد فطرت لوگوں سے بھی چھپاتا ہوں،
کیونکہ یہ راز "حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ" کے اسرار میں سے ہے۔

تشریح:
یہاں شاعر اس راز کی عظمت بیان کرتا ہے جو اس کے دل میں ہے۔ وہ کہتا ہے:
یہ کوئی عام بات نہیں — یہ تو ابراہیم خلیل اللہؑ کے دل کا راز ہے، جسے میں ہر ایک پر ظاہر نہیں کرتا، حتیٰ کہ اُن پر بھی نہیں جو بظاہر آزاد خیال یا روشن ذہن ہیں۔
یہ خالص "علمِ لدنی" اور اسرارِ ولایت کی طرف اشارہ ہے
ایسے راز جو صرف اہلِ دل، مرشد کامل، اور باطن کی آنکھ رکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور
حضرت خضر علیہ السّلام کا واقعہ

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم
کو وعظ فرمایا
تو ایک شخص نے پوچھا یاکلیم اللہ کیا زمین پر
آپ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی ہے؟

حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے فرمایا:
"نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کو وحی
کی اے موسیٰ ایک بندہ میرا ایسا بھی ہے، جسے
میں نے خاص علم لدّنی عطا کیا ہے، اور وہ تجھ
سے زیادہ جانتا ہے۔
حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے عرض کیا:
یا ربّ! میں اس بندے سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں
تاکہ علم حاصل کروں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ایک مچھلی لو، اُسے ایک ٹوکری میں رکھو، جہاں
وہ مچھلی غائب ہو جائے، وہی جگہ تمہاری

ملاقات کی علامت ہوگی۔

حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام اپنے خادم حضرت یوشع بن نون کے ساتھ روانہ ہوئے۔

راستے میں ایک جگہ سمندر کے کنارے آرام کیا اور وہیں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی مگر خادم یہ بات کہنا بھول گئے۔
کچھ دیر بعد آگے چلے، بھوک لگی تو حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے فرمایا: "ہمارا کھانا لاؤ۔"
تب حضرت یوشع کو یاد آیا اور عرض کیا: یاد دہانی تو شیطان نے بھلا دی وہ مچھلی تو وہاں زندہ ہو کر سمندر میں نکل گئی
حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام نے فرمایا بس وہی جگہ ہے جو ہم ڈھونڈ رہے تھے!
وہ واپس لوٹے، یہاں تک کہ اسی جگہ پہنچے....
وہاں حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام موجود تھے۔
حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام نے عرض کیا:
کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ جو علم آپ کو اللہ نے دیا ہے، اس میں سے کچھ سیکھ سکوں؟
حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام نے فرمایا

اے موسیٰ عَلَیہِ السَّلام تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ کیونکہ جس بات کی تمہیں خبر نہ ہو، اس پر صبر کیسے کرو گے؟

حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام نے عہد کیا ** اگر اللّٰہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں کوئی اعتراض نہ کروں گا۔

حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام نے کہا:
تو پھر میرے ساتھ چلو، لیکن جب تک میں خود تمہیں کوئی بات نہ بتاؤں، تم سوال نہ کرنا۔
پہلا واقعہ کشتی کا نقصان
وہ دونوں چل پڑے، اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔کنارے پر پہنچ کر خضر عَلَیہِ السَّلام نے اُس کشتی کے ایک حصے کو توڑ دیا۔

حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام حیران ہو کر بولے آپ نے یہ کیا کیا؟ ان بے گناہوں کی کشتی توڑ دی آپ نے تو بہت برا کیا
حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم صبر نہ کر سکو گے؟
حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام نے عرض کیا:

معاف کیجیے، میں بھول گیا تھا.... آئندہ صبر کروں گا۔
دوسرا واقعہ بچے کا قتل
پھر وہ آگے چلے،راستے میں ایک بچے سے ملاقات ہوئی حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام نے اُس بچے کو قتل کر دیا۔
حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام پھر بے چین ہو گئے:
اور کہا آپ نے ایک معصوم جان لے لی، بغیر کسی جرم کے؟ یہ تو بہت بڑی بات ہے!
حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام نے کہا:
کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم صبر نہ کر سکو گے؟
حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام نے کہا: اگر اب کے بار میں کچھ کہوں ، تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں،
تیسرا واقعہ گرتی ہوئی دیوار
پھر وہ ایک بستی میں گئے، اہل بستی نے انہیں مہمان نہ بنایا لیکن حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام نے وہاں ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا۔
حضرت موسٰی عَلَیہِ السَّلام کہنے لگے:
اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ مزدوری لے سکتے تھے! تب حضرت خضر عَلَیہِ السَّلام نے فرمایا

اب میرا اور تمہارا ساتھ ختم لیکن میں تمہیں وہ
راز بتا دیتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے
1 کشتی
وہ کشتی چند غریب ملاحوں کی تھی ان کے آگے
ایک ظالم بادشاہ تھا، جو ہر اچھی کشتی چھین
لیتا۔ میں نے اُسے عیب دار کر دیا تاکہ وہ بچ
جائے۔

2 بچہ
یہ بچہ اپنے ماں باپ کے لیے آزمائش بننے والا تھا،
آگے چل کر کافر بن جاتا، اور ان کے ایمان کو
نقصان پہنچاتا۔
اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کو اس سے بہتر
اور پاکیزہ اولاد عطا کرے۔

3 دیوار
اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا، اور
ان کا باپ نیک تھا
اللہ نے چاہا کہ وہ بڑے ہو کر اپنا خزانہ پائیں۔
اس لیے میں نے دیوار بنا دی بغیر مزدوری کے اللہ
کے حکم سے۔ اور فرمایا

یہ سب میرے اپنے ارادے سے نہیں یہ سب علم
لدّنی تھا، جو اللہ نے مجھے عطا کیا۔
یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ:
جو کچھ نظر آ رہا ہے، اُس کے پیچھے چھپی
حکمتیں بھی ہوتی ہیں۔
اللہ کے خاص بندے ظاہری خلاف عقل باتیں بھی
اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔
کامل رہنما کی باتوں پر مکمل بھروسا صبر اور
خاموشی ضروری ہے۔

حکایت محمودؒ و ایازؒ
اطاعت امر کا درس

ایک دن سلطان محمود غزنویؒ نے صبح سویرے اپنے دربار کے معتبر وزراء و مشیروں کی عقل و فہم کا امتحان لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ شاہی خزانے سے ایک نہایت قیمتی اور تابناک موتی منگوایا اور سب سے پہلے اسے وزیر اعلیٰ کے ہاتھ میں دے کر دریافت فرمایا
اس موتی کی کیا قیمت ہوگی؟
وزیر نے نہایت ادب سے عرض کی:
"حضور! یہ موتی اتنا قیمتی ہے کہ اگر سونے سے لدے ہوئے دو سو گدھے بھی دے دیے جائیں تو بھی اس کا بدل نہ ہو سکے۔
سلطان نے فرمایا:
اچھا، تو میرے حکم سے اسے ریزہ ریزہ کر دو۔
وزیر نے حیرت سے عرض کی: حضور! میں خزانے کا وفادار ہوں، اتنی نایاب نعمت کو ضائع کرنا خیانت کے مترادف ہوگا۔
سلطان نے اس کی بات سن کر اسے شاباش دی اور شاہی خلعت عطا فرمائی۔پھر بادشاہ نے وہی

موتی دوسرے معزز درباری کو دیا۔ اس نے بھی عرض کیا:
یہ موتی آپ کی آدھی سلطنت کے برابر ہے، خدا اسے سلامت رکھے۔"
سلطان نے اس سے بھی کہا کہ:
" اسے توڑ ڈالو۔"
اس نے عرض کی: ایسا نہ ہو سکے گا، میں سلطان کے خزانے سے دشمنی نہیں کر سکتا۔
سلطان نے اسے بھی انعام و خلعت سے نوازا۔
اسی طرح پانچ وزراء و مشیر آزمائے گئے، سب نے موتی کی عظمت کو تسلیم کیا، اسے توڑنے سے انکار کیا، اور بدلے میں سلطان کی طرف سے انعامات سمیٹے۔
آخر کار بادشاہ نے اپنے محبوب غلام ایازؒ کو بلایا اور وہی موتی اس کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا اے ایاز! غور سے دیکھ اور بتا، اس موتی کی کیا قیمت ہوگی؟"
ایاز نے عرض کی:
"حضور! جو قیمت میں عرض کروں گا، یہ اس سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ہوگا۔
سلطان نے حکم دیا تو پھر فوراً اسے توڑ ڈال۔"
ایاز جو بادشاہ کے مزاج و راز کا شناسا تھا، فوراً

تعمیل حکم میں لگ گیا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس نے موتی کو چکنا چور کر دیا اور ذرہ برابر انعام یا ستائش کی تمنا نہ کی۔
جیسے ہی ایاز نے گوہر نایاب کو توڑا، دربار میں شور برپا ہو گیا۔ وزراء چلانے لگے یہ شخص کافر ہے ناسپاس ہے اس نے ایک بیش قیمت خزانہ ضائع کر دیا
ایاز نے بڑے وقار سے جواب دیا: اے عقل کے دعوے دارو! بتاؤ، حکم بادشاہ زیادہ قیمتی ہے یا یہ موتی ؟ تم سب کی نگاہیں موتی پر ٹکی رہیں، میری نگاہ بادشاہ پر۔ تم نے محبت سلطان کو چھوڑ کر موتی کی عظمت کا دم بھرا میں نے بادشاہ کے حکم پر سب کچھ قربان کر دیا۔"
ایاز نے راز فاش کر دیا
تم سب نے موتی کو بچا کر سلطان کے حکم کو توڑ دیا، اور میں نے موتی کو توڑ کر سلطان کے حکم کو پورا کیا ۔
یہ سن کر دربار میں خاموشی چھا گئی اور جو لوگ ایاز سے حسد رکھتے تھے، ان کی گردنیں شرم سے جھک گئیں۔
اس حکایت میں ایک عظیم روحانی حقیقت پوشیدہ ہے:

"اَلْأَمْرُ فَوْقَ الأَدَبِ"
یعنی حکمِ حاکم کے بعد اصل ادب یہی ہے کہ اس حکم کی بلا چوں و چرا تعمیل کی جائے۔
ایاز کا ادب فہم اور وفاداری اس کی محبت کا ثمر تھا۔ وزیر و مشیر عقل رکھتے تھے، مگر عشق سے خالی تھے۔ عقل توقف سکھاتی ہے، عشق فوراً سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔
یہی فرق شیطان اور حضرت آدم علیہ السّلام میں تھا۔
شیطان عاقل تھا، عاشق نہ تھا، اس لیے حکم ربّ پر اعتراض کر بیٹھا اور مردود بارگاہ ہوا۔
آدم علیہ السّلام عاشق تھے، جب لغزش ہوئی تو بغیر تاخیر کے سجدہ توبہ میں گر پڑے۔
یہ حکایت صرف ایک کہانی نہیں، سالکین کے لیے راہ سلوک کا مینارِ نور ہے۔ جو نفس کی خواہشات خواہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہوں کو حکم الٰہی کے پتھر سے توڑ دیتا ہے، وہی سچا عاشق ہوتا ہے۔
جہاد کی تعلیم بھی یہی ادب سکھاتی ہے۔
خدا کی پیدا کردہ مخلوق پر کافر ہو یا مومن اس کے انعامات عام ہیں، لیکن جب "جہاد" کا حکم آتا ہے تو اس وقت عقل و ترحم نہیں بلکہ حکم الٰہی کی تعمیل لازم ہے۔

روزہ ہو یا نماز، زکوٰۃ ہو یا حج ہر عمل کی روح امر الٰہی" کی تعمیل میں ہے۔
روزے میں پانی کا قطرہ پینا بھی منع ہے، اور جہاد کے وقت خون بہانا بھی واجب ہے۔
یہ حکایت ہمیں سکھاتی ہے کہ:
محبوب حقیقی کا حکم ہر خواہش ہر قیمت ہر تعلق سے بالا تر ہے۔ سچا سالک وہی ہے جو موتی نہیں، حکمِ محبوب کو اصل دولت سمجھے۔
محبت کا فیض عقل کو ادب میں ڈھال دیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایاز جیسی وفاداری اطاعت اور ادب خاص نصیب فرمائے۔ آمین۔

تو کریمی من کمینہ بردہ ام
لیکن از لطف شما پروردہ ام

ترجمہ
تو (اے ربّ کریم ہے، میں کمینہ ادنٰی بندہ ہوں
مگر تیرے لطف سے ہی پروان چڑھا ہوں۔

تشریح
یہ عاجزی کی انتہا ہے۔ بندہ اپنی حیثیت تسلیم کرتا ہے کہ وہ کچھ نہیں، لیکن ربّ کا کرم ہی اسے سرفراز کرتا ہے۔ یہی تصوّف ہے- نہیں ہوں میں کچھ بھی سب کچھ ہے تیرا کرم۔ یہ شعر بندے کی عاجزی اور رب کی مہربانی کو ظاہر کرتا ہے۔ بندہ اگرچہ گناہگار اور ناقص ہے، مگر ربّ کریم اسے اپنے لطف و کرم سے سنوارتا ہے۔ اصل کامیابی اپنی کم مائیگی کو تسلیم کر کے ربّ کے فضل کا طلبگار ہونا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

ترجمہ
زندگی صرف بندگی کے لیے آئی ہے، بندگی کے بغیر زندگی محض شرمندگی ہے۔

تشریح
انسانی وجود کا مقصد عبادت و اطاعت ہے۔ جو بندگی سے خالی ہو، وہ زندگی بیکار ہے۔ یہی فلسفہ عبادت ربّانی ہے۔
یہ شعر انسان کی تخلیق کے مقصد کو واضح کرتا ہے اگر انسان بندگی عبادت، اطاعت (اخلاص) سے غافل ہو جائے تو وہ زندگی محض ایک شرمندگی بن کر رہ جاتی ہے، خواہ وہ کتنا بھی دنیاوی مقام حاصل کر لے۔

یاد اُو سرمایه ایمان بود
ہر جگہ از یاد اُو سلطاں بود

ترجمہ
اللّٰہ کی یاد ہی ایمان کا خزانہ ہے، اور جہاں اس کا ذکر ہو، وہی حقیقی سلطنت ہے۔

تشریح
ذکر الٰہی نہ صرف دل کو زندہ کرتا ہے بلکہ باطن کی سلطانی بھی عطا کرتا ہے۔ جس دل میں یاد حق ہے، وہی تختِ معرفت پر فائز ہوتا ہے۔ اللہ کی یاد کو ایمان کی اصل دولت قرار دیا گیا ہے۔ جہاں اللہ کی یاد ہو، وہی مقام باطنی سلطانی ہے۔
دراصل حقیقی بادشاہت ذکر الٰہی میں چھپی ہے، دنیاوی تخت و تاج میں نہیں۔

سیّد و سرور محمد ﷺ نور جاں
مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں

ترجمہ
ہمارے سردار محمد ﷺ جان کا نور ہیں، سب سے افضل و اعلیٰ اور گناہگاروں کے شفیع ہیں۔

تشریح
حضور ﷺ کی ذات ہر عاشق کی جان ہے۔ ان کا مرتبہ تمام انبیاء و اولیاء پر فائق ہے، اور وہی شفاعت کا وسیلہ ہیں۔ حضور ﷺ کو جان کا نور کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی ذات ہر مومن کی روحانی زندگی کا مرکز ہے۔ وہ سید المرسلین

المُرسلینﷺ ہیں اور گناہگاروں کے لیے سب سے بڑے شفیع۔ ان کی شفاعت اللہ کی خاص عطا ہے۔

چوں محمدؐ پاک شد از نار و دود
ہر کُجا روح کرد، وجہُ اللہ بود

ترجمہ
محمدﷺ نار و دھویں سے پاک ہیں، جہاں بھی اُن کی روح گئی، وہاں اللہ کا چہرہ ظاہر ہوا۔

تشریح
رسول اللہ ﷺ کی پاکیزگی ایسی ہے کہ ان کے وجود سے اللہ کا جمال ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا نور نور خداوندی کا مظہر ہے۔ حضور ﷺ کی باطنی و روحانی پاکیزگی ایسی ہے کہ جہاں ان کی روح پہنچے، وہاں اللہ کا جلوہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان کی ذات نور الٰہی کا مکمل مظہر ہے۔

شہباز لا مکانی جانِ اُو
رحمت للّعالمین در شانِ اُو

ترجمہ
ان کی روح لامکانی شہباز ہے، اور ان کی شان
تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا ہے۔

تشریح
رسول پاک ﷺ کی روح کسی حد و قیود میں
نہیں۔ وہ ہر عالم میں رحمت کا ذریعہ ہیں - زمان
و مکان کی قید سے ماوراء یہاں رسول اللہ ﷺ
کی روحانی بلندی کو لامکانی شہباز سے تشبیہ
دی گئی ہے - جو زمان و مکان کی قید سے بلند ہے۔
وہ تمام عالم کے لیے رحمت بن کر آئے، جیسا کہ
قرآن میں فرمایا گیا۔

مہترین و بہترین انبیاء
جز محمدؐ نیست در ارض و سما

ترجمہ
سب سے بہتر اور اعلیٰ نبی، محمد ﷺ کے سوا
زمین و آسمان میں کوئی نہیں۔

تشریح
یہ مقام ختم نبوت اور کمال رسالت کی گواہی

ہے۔ حضور ﷺ ہی انبیائے کرام کے سردار ہیں۔ یہ توحید رسالت کا بیان ہے کہ تمام انبیاء میں سب سے افضل، سب سے اعلیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ ان کی مثل زمین و آسمان میں کوئی نہیں۔

آں محمدؐ حامد و محمود شد
شکل عابد صورت معبود شد

ترجمہ
وہ محمد ﷺ حمد کرنے والے بھی ہیں اور محمود (قابل حمد بھی۔ ان کی صورت عبادت گزار کی اور باطن میں معبود کا جلوہ ہے۔

تشریح
یہ وحدت کی جھلک ہے کہ حبیب ﷺ بندے بھی ہیں اور محبوب بھی۔ ان کی ذات میں عبدیت و ربوبیت کا حسن جمع ہے (ظاہر میں بندہ باطن میں نورِ خدا ۔ یہ شعر مقام محمدی ﷺ کو بیان کرتا ہے وہ خود حمد کرنے والے (حامد) بھی ہیں اور تمام عالم کے لیے محمود (قابل حمد) بھی۔ ان کی صورت عبادت گزار کی اور ان کے باطن میں معبود کا جلوہ ہے۔

اولیاء اللہ و اللہ اولیاء
یعنی دید پیر، دید کبریا

ترجمہ
اللہ کے ولی اللہ کے دوست ہوتے ہیں، اور پیر کی دید دراصل اللہ کی تجلی ہوتی ہے۔

تشریح
مرشد کامل کی نگاہ اللہ کے نور سے منور ہوتی ہے۔ اس کی صحبت و دید سے انسان کو معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ یہ تصوف کا نکتہ ہے: اللہ کے ولی اللہ کے دوست ہیں، اور اللہ ان کا دوست ہے۔ مرشد کامل کی نگاہ حقیقت میں اللہ کے جمال کی تجلّی ہوتی ہے، جو مرید کے باطن کو بیدار کرتی ہے۔

ہر کہ پیر و ذات حق را یک نہ دید
نے مرید و نے مرید و نے مرید

ترجمہ
جو شخص پیر اور ذات حق کو ایک نہ سمجھے
وہ مرید نہیں وہ مرید نہیں وہ مرید نہیں

تشریح
یہ فنا فی الشَّیخ اور معرفت مرشد کا نکتہ ہے۔
جو مرشد میں اللہ کا نور نہیں دیکھتا، وہ حقیقت
میں راہِ طریقت پر نہیں۔ جو شخص مرشد کامل
کو اور ذات حق کو ایک نہ سمجھے، وہ حقیقی
مرید نہیں۔ اس میں عشق یقین اور فنا فی الشَّیخ
کی تلقین ہے - جو ذات مرشد میں ذات الٰہی کو
دیکھتا ہے، وہی کامیاب ہے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے رومؒ
تا غلام شمس تبریزیؒ نہ شد

ترجمہ:
مولانا رومؒ، مولائے روم نہ بنے، جب تک شمس
تبریزیؒ کے غلام نہ بنے۔

تشریح
علم و عرفان کا اصل راستہ عشق ہے۔ مولانا رومؒ
جیسے عالم بھی تب کامل ہوئے جب شمسؒ کی
غلامی میں فناء ہو گئے۔ مرشد کی غلامی ہی
روحانی معراج کا زینہ ہے ۔ علم سے زیادہ عشق و
صحبتِ مرشد اصل کمال ہے۔

قصہ اختلاف در تحقیق فیل

مولانا رومی رحمہ اللہ علیہ کی حکمت بھری تمثیل
ایک زمانے میں ایک ایسے ملک میں جہاں کے لوگوں نے کبھی ہاتھی کو دیکھا نہ تھا، ہندوستان سے ایک ہاتھی درآمد کیا گیا۔ اس ہاتھی کو ایک تاریک کمرے میں رکھا گیا، جہاں روشنی کا کوئی گزر نہ تھا۔ لوگ تجسس میں مبتلا ہو کر اسے دیکھنے کے لیے آئے، لیکن اندھیرے کی وجہ سے کسی کو کچھ دکھائی نہ دیا۔ ہر کوئی اپنی عقل و فہم سے ہاتھی کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا، مگر آنکھوں کی بینائی کے بجائے صرف ہاتھوں کا سہارا تھا۔
ایک شخص نے ہاتھی کا کان چھوا تو فوراً کہا: یہ تو بالکل پنکھے کی مانند ہے۔"
دوسرے نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو بولا نہیں، یہ تو کسی تخت جیسا لگتا ہے۔"
تیسرے نے اس کا پاؤں چھوا تو بولا تم دونوں غلطی پر ہو، یہ تو ستون جیسا ہے۔"
چوتھے نے اس کی سونڈ کو ہاتھ لگایا، اور کہا: میری تحقیق کے مطابق یہ تو ناودان (نالی)

جیسی شے ہے۔"
ہر شخص کا مشاہدہ، اُس کے لمس اور قیاس پر مبنی تھا۔ اندھیرے میں ہر کسی نے جو محسوس کیا، وہی اس کے نزدیک حقیقت بن گئی۔ لیکن دراصل کسی کو بھی مکمل حقیقت کا ادراک نہ تھا۔
مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
اگر ان کے ہاتھوں میں ایک شمع چراغ روشنی ہوتا تو یہ سب اختلافات ختم ہو جاتے۔
اگر ہر ایک کے پاس روشنی ہوتی تو وہ حقیقت کو دیکھ لیتے اور اختلافات سے بچ جاتے۔

یہ تمثیل اس بات کی علامت ہے کہ صرف عقل سے حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں، جب تک کہ اس کے ساتھ نورِ ہدایت نہ ہو۔ اگر روشنی یعنی الٰہی رہنمائی موجود ہو، تو اختلاف ختم ہو جاتے ہیں اور سچائی کا چہرہ عیاں ہو جاتا ہے۔

حقیقت کی تلاش میں روشنی کی ضرورت
راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آج پوری دنیا میں خدا کی ذات رسالت محمدی ﷺ مقصد حیات انسانی اور آخرت حشر و نشر پر مختلف آراء و

نظریات کا غلبہ ہے۔
ایک نابینا شخص خواہ وہ خود راستہ چلنے کی کوشش کرے یا کسی دوسری نابینا کا سہارا لے، دونوں صورتوں میں وہ گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ ایسے نابینا راہرو اور راہبر اگرچہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہوں، ان کی اکثریت بھی انہیں بینا نہیں بنا سکتی۔
اسی طرح صرف عقل، فلسفہ اور سائنس اگرچہ بظاہر مفید نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت کے ادراک کے لیے محض عقل کافی نہیں، نور وحی کی ضرورت ہے۔

حقیقی روشنی صرف وحی الٰہی ہے
یاد رکھیں روشنی صرف وہی ہے جو وحی الٰہی سے حاصل ہوتی ہے،

اور وحی صرف سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی۔
یہی اصل روشنی ہے جو 14 سو برس قبل غار حرا سے چمکی
جس نے جہالت ظلمت اور اندھیروں کو مٹا کر نور ہدایت پھیلایا۔

آج سائنس اور فلسفہ کی نئی روشنی انسان کو صرف کھانے پینے کی مشین سمجھتی ہے۔
یہی کہتے ہیں کہ:
زندگی کا مقصد صرف عیش، خوراک آرام اور دنیاوی کامیابیاں ہیں۔
لیکن اے مسلمان
اگر تُو نے بھی ان کی تقلید اختیار کی تو تیری منزل بھی وہی ہوگی جو ان نابیناؤں کی ھے

نئی روشنی کا فریب
آخر میں شاعر کا ایک خوبصورت اور سچ پر مبنی شعر
تیرا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے، باہر اُجالا

یعنی ظاہری روشنی سائنس و فلسفہ نے دلوں کو تاریک کر دیا ہے، صرف وحی الٰہی کا نور ہی دل و دماغ کو منور کر سکتا ہے۔

سلطان محمود غزنویؒ اور چور

ایک رات سلطان محمود غزنویؒ شاہی لباس اتار کر عام لباس میں رعایا کی حالت دیکھنے کے لیے تنہا گشت فرما رہے تھے۔ راہ چلتے ہوئے انہوں نے چند چوروں کو دیکھا جو آپس میں چوری کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ چوروں نے بادشاہ کو عام لباس میں دیکھ کر پوچھا تو کون ہے؟سلطان نے فرمایا: میں بھی تم میں سے ایک ہوں۔
وہ سمجھے کہ یہ بھی کوئی چور ہے، اسے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ پھر سب نے مشورہ کیا کہ ہر شخص اپنا ہنر بیان کرے تاکہ چوری کے دوران کام بانٹ لیا جائے۔
پہلا چور
"مجھ میں یہ خاصیت ہے کہ میں جانوروں کی آوازوں کو سمجھ لیتا ہوں۔"
دوسرا چور
 "میں" جسے اندھیرے میں دیکھ لوں دن میں بھی بلاخطا پہچان لیتا ہوں۔
تیسرا چور
میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ دیوار میں ہاتھ سے سوراخ کر کے اندر داخل ہو سکتا ہوں۔"

چوتھا چور
میں سونگھ کر خزانے کی جگہ معلوم کر لیتا ہوں۔"
پانچواں چور:
میرے پنجے کی طاقت سے میں کمند محل کی چھت پر پھینک کر چڑھ جاتا ہوں۔
پھر سب نے سلطان محمودؒ سے پوچھا اور تمھارے پاس کیا ہنر ہے؟ سلطان نے فرمایا:
میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ اگر میں ترحم سے داڑھی ہلا دوں تو پھانسی کے مجرم بھی رہا ہو جاتے ہیں۔
چوروں نے خوش ہو کر کہا:
واہ! پھر تو آپ تو ہمارے قطب ہیں، اگر پکڑے بھی گئے تو آپ کے کرم سے چھوٹ جائیں گے۔"
یہ طے پا کر سب شاہی محل کی طرف چل دیے سلطان بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں ایک کتا بھونکا۔ جانوروں کی آوازیں سمجھنے والا چور بولا
یہ کہہ رہا ہے کہ تمھارے ساتھ بادشاہ ہے!" لیکن لالچ کے مارے چوروں نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا۔
خزانے کی جگہ معلوم کی گئی، کمند پھینکی گئی

دیوار میں نقب لگائی گئی اور شاہی خزانہ لوٹ لیا گیا۔ سلطان خاموشی سے واپس محل آ گئے۔ صبح عدالت میں سلطان محمودؒ نے رات کا تمام واقعہ بیان کیا اور حکم دیا کہ سب چوروں کو گرفتار کیا جائے۔ جب سب کو مشکیں باندھ کر دربار میں حاضر کیا گیا تو ہر ایک کا رنگ خوف سے زرد ہو چکا تھا۔ سوائے اُس شخص کے جو اندھیرے میں دیکھ کر پہچان لیتا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف بھی تھا اور اُمید بھی۔ وہ جانتا تھا کہ جسے اُس نے رات کو دیکھا، وہی آج تخت پر جلوہ افروز ہے۔
بادشاہ نے جلال سے فرمایا: سب کو جلادوں کے سپرد کر دو تب وہ شخص ادب سے بولا:
حضور! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"
اجازت ملنے پر عرض کیا
ہم سب نے اپنا اپنا ہنر دکھایا، اب خسروانہ ہنر کا ظہور بھی ہو جائے۔ رات آپؒ نے فرمایا تھا کہ داڑھی ہلانے سے مجرم بچ جاتے ہیں۔ اب آپ رحمت سے داڑھی ہلائیے تاکہ ہم سب رہائی پا سکیں۔"
یہ سن کر سلطان مسکرایا اور فرمایا

تم سب نے اپنے ہنر دکھا دیے، لیکن یہ شخص
میرا عارف ہے۔ اس نے رات کی تاریکی میں مجھے
پہچان لیا تھا۔
اسی نگاہ معرفت کے صدقے تم سب کو معاف کرتا
ہوں۔
مجھے اس پہچاننے والی نظر سے شرم آتی ہے کہ
میں اپنی داڑھی کا وعدہ پورا نہ کروں۔

1. معرفت الٰہی:
جس طرح سلطان چوروں کے ساتھ تھا، ویسے ہی
اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ
وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو

2 گناہ کی سزا فوراً نہیں، مگر حتمی ہے: اللہ
کبھی فوراً گرفت نہیں کرتا، مہلت دیتا ہے۔
لیکن اگر انسان باز نہ آیا تو انجام بھیانک ہوگا۔

3 قیامت میں ہنر نہیں معرفت کام آئے گی دنیاوی
کمالات ،طاقت ،چالاکیاں، سب قیامت میں بے
فائدہ ہوں گی۔ صرف اللہ کی معرفت اور فضل ہی

نجات کا ذریعہ ہو گا۔

مرشد کامل کی شان
جس طرح اس حکایت میں سلطان محمودؒ کی پہچان چوروں میں صرف ایک شخص نے کی ویسے ہی مرشدِ کامل کی پہچان ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ ہزاروں چہرے دیکھنے کے باوجود ایک نظر وہ ہوتی ہے جو پہچان جاتی ہے، اور وہی نظر نجات کا سبب بن جاتی ہے۔
مرشد کاملؒ باطن کا سلطان ہوتا ہے۔
جو اس کی معرفت پا لیتا ہے، وہ دنیا و آخرت کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔
مرشد کی نگاہ جس پر پڑ جائے، وہ لاکھوں گناہوں کے باوجود رب کا محبوب بن جاتا ہے، کیونکہ مرشد کی نگاہ خدا کی رضا سے جدا نہیں ہوتی۔
پس جو مرشدِ کامل کی نگاہ پہچان لیتا ہے، وہی اصل بادشاہ ہے، چاہے ظاہری لباس میں چور ہی کیوں نہ ہو۔

عقل گوید حذر، عشق گوید خطر

صورت نہ پرستم من بتخانہ شکستم من
آں سیلِ سبک سیرم ہر بند گسستم من

ترجمہ:
میں نے کبھی صورت (ظاہر) کی پرستش نہیں کی، بلکہ بتخانے کو توڑ دیا۔
میں ایک سبک سیر (تیز رفتار) سیلاب ہوں، میں نے ہر بند (رکاوٹ) کو توڑ ڈالا۔

صوفی تشریح:
یہ شعر "باطنی توحید" اور "مقامِ فنا" کا آئینہ دار ہے۔ سالک اعلان کرتا ہے کہ میں نے ظاہری شکلوں، رسوم اور بتوں کی پرستش نہیں کی — میں نے ہر خارجی خدا، ہر تعصبی حد، اور ہر مجازی قید کو توڑ ڈالا۔ میرا سفر عشق ایسا سبک رفتار (تیز و لطیف) ہے کہ کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ سکی۔

در بود و نبود من اندیشہ گماں ہا داشت
از عشق ہویدا شد ایں نکتہ کہ ہستم من

ترجمہ:
میرے وجود اور عدم کے بارے میں عقل کو شک و گمان تھے،
لیکن عشق نے یہ نکتہ آشکار کر دیا کہ میں (حقیقی طور پر) ہوں۔

صوفی تشریح:
یہ شعر عشق کے ذریعہ "حقیقتِ خودی" کی شناخت کا بیان ہے۔
عقل ہمیشہ شک میں رہتی ہے — کبھی انسان کو کہتی ہے کہ ٹُو کچھ نہیں، کبھی کہتی ہے ٹُو سب کچھ ہے۔
لیکن جب عشق آتا ہے، تو وہ ہر پردہ چاک کر دیتا ہے، اور انسان پر یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ "میں" وہی ہوں جو عشق کی بدولت بقا پایا ہے۔
یہاں "ہستم من" کا مطلب ہے "میں ہوں" — لیکن یہ "انا" نہیں، بلکہ "بقائے باللہ" کا اظہار ہے۔
"من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" — "جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

در دیر نیاز من در کعبہ نماز من
زنار بدوشم من تسبیح بدستم من

ترجمہ:
میری نیاز (عبادت و محبت) کا مقام دیر (بت خانہ) ہے، اور میری نماز کعبہ میں ہوتی ہے۔
میں بظاہر زنار (غیر مسلموں کی علامت) پہنے ہوئے ہوں، مگر میرے ہاتھ میں تسبیح (ذکرِ الٰہی) ہے۔

صوفی تشریح:
یہ شعر وحدتِ ادیان اور وحدتِ وجود کا ایک مظہر ہے۔ صوفی اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میں ہر جگہ اپنے رب کو دیکھتا ہوں – چاہے وہ دیر ہو یا کعبہ۔
ظاہری علامات جیسے زنار (جو عام طور پر اسلام کے خلاف سمجھی جاتی ہے) رکھنے کے باوجود، اس کے ہاتھ میں تسبیح ہے۔ یہ اس کے باطنی نور کا اظہار ہے۔
یہ مقام اُس سالک کا ہوتا ہے جو ظاہری تضاد سے گزر کر باطنی اتحاد کی منزل تک پہنچ چکا ہو۔

سرمایہ درد تو غارت نتواں کردن
اشکے کہ ز دل خیزد در دیدہ شکستم من

ترجمہ:
تیری محبت کا درد ایسا سرمایہ ہے، جسے لٹایا نہیں جا سکتا۔
اور وہ آنسو جو دل سے نکلتے ہیں، انہیں میں نے شکستہ آنکھوں میں سنبھالا ہے۔

صوفی تشریح:
یہاں دردِ عشق کو خزانہ کہا گیا ہے — اور سچ بھی یہی ہے۔
عاشقِ صادق کا سب سے قیمتی سرمایہ "دردِ فراق" ہوتا ہے، جو نہ خریدا جا سکتا ہے، نہ چرا لیا جا سکتا ہے، نہ لٹایا جا سکتا ہے۔
جب دل ٹوٹتا ہے اور محبوب کی یاد میں آنسو بہتے ہیں، وہ آنسو دنیا کے کسی موتی سے کم نہیں۔
یہی آنسو قیامت کے دن نجات کا ذریعہ ہوں گے۔
جیسے فرمایا گیا:
"دو قطرے انسان کو جہنم سے بچا لیتے ہیں —
ایک آنسو کا قطرہ جو خوفِ خدا میں گرا ہو، اور ایک شہید کے خون کا قطرہ۔"

فرزانہ بگفتارم دیوانہ بہ کردارم
از بادہ شوق تو ہشیارم و مستم من

ترجمہ:
میں اپنی باتوں میں عقلمند نظر آتا ہوں، لیکن
میرے عمل دیوانوں جیسے ہیں۔
تیرے عشق کے جام نے مجھے ہوش میں بھی رکھا
ہوا ہے، اور میں مست بھی ہوں۔

صوفی تشریح:
یہ شعر صوفی کی دوہری کیفیت کا بیان
ہے عقل و عشق کا امتزاج۔ وہ ظاہری طور پر
فرزانہ (عقل مند) ہے تاکہ دنیا کو سمجھا سکے،
شریعت کی بات کرے، حکمت دے۔ لیکن اس کا
باطن"دیوانگی" سے لبریز ہے وہ عشقِ الٰہی میں
مست ہے، اس کے عمل کسی قاعدے کے پابند
نہیں، بلکہ محبت کے اصولوں پر چلتے ہیں۔ یہ وہ
مقام ہے جہاں بندہ "ہشیار بھی ہوتا ہے اور مست
بھی یعنی شعور بھی باقی ہوتا ہے اور جذب بھی
غالب۔
جیسے مولانا رومی فرماتے ہیں:
"عقل گوید حذر، عشق گوید خطر،

عاشق افتاد اندر خطر، پس او را چہ کار با عقل؟
عقل کہتی ہے: "بچ کے رہو"، عشق کہتا ہے: "خطرہ مول لو"، عاشق خطرے میں کود پڑتا ہے، تو پھر اسے عقل سے کیا کام؟

صوفی تشریح:
یہ اشعار عقل و عشق کے درمیان بنیادی فرق کو واضح کرتے ہیں: عقل احتیاط کا سبق دیتی ہے، دنیاوی تقاضوں کو سمجھاتی ہے، نفع و نقصان کا حساب کرتی ہے۔ عشق دیوانہ وار قربانی مانگتا ہے، "فنا فی اللہ" کی طرف بلاتا ہے، رسومات و قیود کو توڑتا ہے۔ عاشق، جو عشقِ حقیقی میں فنا ہو چکا ہوتا ہے، وہ خطرات سے خوفزدہ نہیں ہوتا — وہ تو محبوب کی رضا میں اپنی ہستی قربان کر دیتا ہے۔ جب وہ عشق کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے، تو "عقل" اس کے لیے بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہی مقام عقلِ جزوی سے بلند ہو کر عقلِ کُل سے وصال کا ہوتا ہے۔

حکایت طوطی و بقال

ایک دوکاندار نے ایک طوطا پال رکھا تھا جو خوش آواز اور سبز رنگ کا تھا۔ یہ طوطا نہ صرف باتیں کرتا بلکہ دوکاندار کے نہ ہونے پر دوکان کی بھی حفاظت کرتا اور گاہکوں کو خوش کرتا۔ دوکاندار کو اس طوطے سے بہت محبت تھی اور وہ اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

ایک دن دوکاندار نہ تھا اور اچانک ایک بلی نے کسی چوہے کو پکڑنے کے لیے حملہ کیا۔ طوطے نے یہ سمجھا کہ بلی اسے پکڑنا چاہتی ہے، لہذا وہ اپنی جان بچانے کے لیے ایک طرف بھاگ گیا جہاں بادام کے تیل کی بوتل رکھی تھی۔ سارا تیل گر گیا۔ جب دوکاندار آیا تو اس نے اپنی گدی پر تیل کی چکناہٹ محسوس کی اور دیکھا کہ بوتل سے تیل گر گیا ہے۔ اس نے غصے میں آکر طوطے کے سر پر ایسی چوٹ لگائی کہ اس کا سر بالکل صاف ہو گیا۔ طوطا اس بات سے بہت ناراض ہو گیا اور اس نے بولنا چھوڑ دیا۔

دوکاندار کو اس کی خاموشی سے بہت پریشانی ہوئی اور وہ نادم ہوا۔ اس نے کئی روز تک طوطے کی خوشامد کی اور طرح طرح کے جتن کیے تاکہ وہ پھر سے بولنا شروع کرے، لیکن طوطا بالکل خاموش رہا۔ دوکاندار کے گاہک بھی اس کی خاموشی پر حیران ہو گئے۔

ایک دن دوکان کے سامنے سے ایک فقیر کمبل پہنے اور سر منڈائے ہوئے گذرا تو طوطا فوراً بلند آواز سے بولا: اس گنجے کو کس سبب سے گنجا کیا؟ تم نے بھی تو وہی تیل گرا دیا ہوگا۔ اس قیاس سے لوگوں کو ہنسی آئی کیونکہ طوطے نے فقیر کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا۔

مولانا جلال الدین رومؒی اس حکایت کے ذریعے ایک اہم نصیحت دیتے ہیں:

کارِ پاکاں را قیاس خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شَیر و شِیر

ترجمہ
اے عزیز پاک لوگوں کے معاملات کو اپنے اوپر

قیاس نہ کرو چاہے لکھتے وقت شَیر اور شِیر ایک ہی طرح کے نظر آئیں۔"
مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ظاہری شکل ایک ہونے سے حقیقت کا اتحاد لازم نہیں آتا۔ شِیر (دودھ) کو انسان پیتا ہے، لیکن شَیر (جانور انسان کو کھاتا ہے۔ اسی طرح بدبخت لوگ حق بینی کی آنکھ سے محروم ہیں اور نیک اور بد ان کے لیے ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ وہ انبیاء عَلَیہِالسَّلام کے ساتھ برابر ہونے کا دعویٰ کرتے اور اولیاءؒ اللہ کو بھی اپنے برابر سمجھنے لگے۔
مولاناؒ مزید مثالیں پیش کرتے ہیں:
جیسے شہد کی مکھی پھول کا رس چوس کر شہد بناتی ہے،
اور دوسری مکھی (بھونڈ) ڈنک بناتا ھے

اسی طرح اگر ایک انسان برے اعمال کرتا ہے، تو وہ اس میں بخل اور حسد پیدا کرتا ہے، جبکہ اللہ کا ولی وہی روٹی کھا کر اللہ کا عشق و معرفت پیدا کرتا ہے۔
مولاناؒ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ظاہری شکل میں اتحاد ہونے کے باوجود شقی اور سعید نیک اور بد کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جیسے

کہ خراب اور صحیح سونے کی شکل یکساں ہو سکتی ہے، مگر ان کی قیمت میں فرق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ والوں کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ ان کے باطن کو جاننے کی کوشش کرو کیونکہ ان کا مقام ظاہری شکل سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو اپنے نیک اور مقبول بندوں کی عظمت اور ان کا احترام عطا فرمائے، اور ہمیں اپنے باطل قیاسات سے بچائے آمین۔

حکایت شب چراغ اور گاؤ آبی

دریائی گائے یا بیل دریا سے موتی نکال کر لاتا ہے اور رات میں اس کی روشنی میں سبزہ زار سے سوسن اور ریحان جلدی جلدی چرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس جانور کا پائخانہ عنبر ہوتا ہے کیونکہ اس کی غذا سوسن نیلوفر اور دیگر لطیف و خوشبو دار نباتات ہیں۔
اسی طرح جس کی روحانی غذا نورِ جلال ذکر و طاعت ہوگی، اس کے لبوں سے کلام مؤثر کیوں نہیں نکلے گا؟ اسی مضمون کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:
جس کی غذا نورِ جلال ذکر و طاعت ہو گی تو اس کے لبوں سے کیونکر نہ کلام مؤثر پیدا ہو گا۔
پھر وہ دریائی گائے نور گوہر میں پھرتے پھرتے موتی سے دور چلا جاتا ہے۔ اس وقت ایک تاجر جو اس موتی کو حاصل کرنے کے لیے درخت کے اوپر سیاہ کیچڑ لیے بیٹھا رہتا ہے، موتی پر کیچڑ پھینک دیتا ہے۔ اس سے سبزہ زار تاریک ہو جاتا ہے کیونکہ کیچڑ موتی کی شعاع نور کو پھیلنے سے روکتا ہے۔
دریائی گائے تھوڑی دیر تک اس چراگاہ میں دوڑتا

پھرتا ہے تاکہ اس مخالف کو سینگ میں لپیٹ لے لیکن وہ تاجر درخت پر محفوظ بیٹھا رہتا ہے۔ پھر جب دریائی گائے مایوس ہو جاتا ہے، وہ واپس آتا ہے جہاں موتی رکھا تھا لیکن وہاں آکر کیچڑ دیکھتا ہے، جو دُر شاہوار کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ بیل کیچڑ دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔

اب مولاناؒ روم ایک عظیم نصیحت دیتے ہیں کہ ابلیس لعین بھی اس جانور کی طرح حضرت آدم علیہ السّلام کے خاکی پتلے کو دیکھ کر بھاگا تھا۔ اس نے سجدہ تعظیمی کرنے سے انکار کیا اور حکم الٰہی پر اعتراض کیا کہ خاک سے آگ افضل ہے، یہ خاکی ہیں اور میں ناری ہوں"۔ ابلیس بدبخت یہ نہ سمجھ سکا کہ اس خاک اور آب و گِل میں خلافت الٰہیہ کی تاجدار حضرت آدم علیہ السّلام کی روح مخفی ہے۔

اے رفیقو اس قیلولہ اور مقولہ سے پرہیز کرو اور تحقیق کرو کہ ہوائے نفسانی زندگی کو محض عیش کوشی اور فضول بحث و مباحثہ میں ضائع کرنے کے بجائے سلوک طے کرنے میں فوراً مشغول ہو جاؤ!"

ابلیس جو مٹی کے باطن سے بے خبر اور اندھا تھا، وہ دریائی گائے کی طرح کب جانتا تھا کہ کیچڑ

میں موتی چھپا ہوا ہے۔
اسی طرح زمانے کی حماقتوں کا شکار لوگ اہل اللہ کی ظاہری خستگی اور بے سرو سامانی کو اپنے بنگلوں، قیمتی کپڑوں اور ٹھاٹ بات سے موازنہ کرتے ہیں اور دھوکہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ علم نہیں کہ خزانہ ویرانے ہی میں ہوتا ہے اور اس بے سر و سامانی میں ہی اللہ والوں کا روحانی خزانہ مخفی ہوتا ہے۔ اس دیوانگی میں اللہ والوں کا صدق و نیت چھپی ہوتی ہے۔
وہ تاجر درخت سے دیکھتا رہتا ہے کہ کب یہ دریائی گائے کیچڑ سے مایوس ہو کر دریا کی طرف رخ کرے اور وہ موتی نکال کر کامیاب واپس جائے۔ اسی طرح اللہ والوں سے استفادہ کرنے میں ان کے جسم خاکی پر نظر نہ کرو بلکہ ان کی روح سے اللہ کی خوشبو سونگھنے کی کوشش کرو۔
جیسے مجنوں کو جب علم ہوا کہ لیلیٰ کا انتقال ہو گیا، وہ قبرستان جا کر ہر قبر کی مٹی کو سونگھتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ لیلیٰ کی قبر پر پہنچا تو مٹی کو سونگھ کر کہا: ہاں، یہی لیلی کی قبر ہے۔"

اسی طرح اللہ کے سچے عاشقین اللہ والوں سے اللہ کی خوشبو پا لیتے ہیں اور ان سے استفادہ کرنے میں عار و شرم نہیں کرتے۔
حضرت سیدنا محمّد ﷺ نے ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:
تحقیق میں یمن کی طرف سے اللہ کی خوشبو پا رہا ہوں۔ یہ خوشبو حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی، جو یمن کے کسی قصبے میں رہتے تھے، اور ماں کی خدمت کی وجہ سے دربار نبوی ﷺ میں حاضر نہ ہو سکے ۔
آج بھی اللہ کے سچے عاشقین اللہ والوں سے اللہ کی خوشبو پا لیتے ہیں اور ان سے استفادہ کرنے میں عار و شرم نہیں کرتے۔
مولاناؒ فرماتے ہیں:
اے عشق، اے شرم و اندیشہ کے دشمن میرے پاس آجا کہ میں نے شرم و حیا کا پردہ چاک کردیا۔ وہ شرم جو اطاعتِ امرِ الٰہی میں حائل تھی، میں نے اسے بالائے طاق رکھ دیا۔اس حکایت میں ایک عظیم درس چھپا ہے اللہ والوں کی ظاہری حالت پر نظر نہ رکھو، بلکہ ان کی روح سے اللہ کی خوشبو سونگھنے کی کوشش کرو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور منکر کا سوال

ایک عبرت آموز واقعہ

ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا، کرم اللہ وجہہ الکریم بالا خانے پر جلوہ افروز تھے۔ اسی اثنا میں ایک منکر و بددین شخص آپ کے دربار میں آیا۔ نیچے کھڑا ہو کر بلند آواز سے کہنے لگا:
"اے علی المرتضیٰؓ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر مکمل اعتماد ہے ؟ حضرت علیؓ نے نہایت جلال اور وقار سے جواب دیا
" یقیناً! اللہ ہی ہمارا محافظ اور بہترین نگہبان ہے۔"
یہ سن کر وہ منکر کہنے لگا:
تو پھر آپ اس بالا خانے سے نیچے کود جائیے تاکہ میں بھی آپ کے یقین و اعتماد سے کچھ سیکھوں، اور آپ کا عملی یقین میرے دل میں حسن اعتقاد پیدا کر دے
حضرت علیؓ مسکرائے اور حکمت کے موتی

بکھیرتے ہوئے فرمایا
اے احمق
بندے کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کرے؟ اللہ کو آزمائش میں ڈالنے کی جسارت کرنا بندگی نہیں، بلکہ گمراہی و حماقت ہے۔
آپؒ نے مزید فرمایا:
یہ تو صرف خدا کا حق ہے کہ وہ بندوں کا امتحان لے نہ کہ بندے خالق کا۔
جس طرح پہاڑ کے دامن میں موجود ایک ذرہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ وہ پہاڑ کو تولے گا تو یہ اس کی احمقانہ جسارت ہو گی۔ کیونکہ نہ وہ ذرہ باقی رہے گا، نہ اس کی ترازو۔
ایسے ہی بعض نادان لوگ اللہ والوں کی معرفت و مقام کو اپنی عقل کے ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں،
لیکن جب ان کی عقل کی ترازو ان بلند ہستیوں کے مقام کو سمیٹ نہیں پاتی
تو ربّ کریم ان کی بے ادبی کے سبب ان کے دل و دماغ ہی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ اللہ کے اولیاء کا مقام

عام فہم و قیاس سے بالاتر ہے۔ جو لوگ ان کی شان میں گستاخی یا اعتراض کرتے ہیں، ان کی عقل مفلوج ہو جاتی ہے اور ان کی عملی زندگی تباہی کی طرف بڑھتی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے فاسد خیالات، وساوس اور بدگمانیوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

اگر کبھی دل میں ایسا وسوسہ یا آزمانے کا خیال آئے تو فوراً سمجھو کہ یہ تمہاری بدبختی اور ہلاکت کی علامت ہے۔
فوراً سجدے میں گر جاؤ، گریہ و زاری کرو اور خدا سے فریاد کرو
یا اللہ! مجھے اس فاسد خیال سے نجات عطا فرما
اگر توبہ اور دعا کے باوجود بھی یہ خیال نہ نکلے تو سمجھو کہ یہ محض وسوسہ ہے۔ اسے برا جاننا ہی کافی ہے، اس پر توجہ نہ دو۔
ان شاء اللہ کچھ ہی عرصے میں اللہ تمہیں نجات عطا فرما دے گا -
لیکن دعا، عاجزی اور اللہ والوں سے دعا کی درخواست ضرور جاری رکھو۔

ایک دن اہل چین اور اہل روم میں فن نقاشی پر مباحثہ ہوا۔

اہل چین نے دعویٰ کیا کہ ہم فن نقش و نگار میں کامل ہیں۔ اہل روم نے کہا کہ ہم ان سے بھی بڑھ کر کمال رکھتے ہیں۔ سلطان وقت نے فیصلہ کیا کہ دونوں کو آزمائش میں ڈالا جائے۔
سلطان نے ایک محل کے دو حصے اہل چین اور اہل روم کے حوالے کیے۔ دونوں حصوں کے درمیان پردہ آویزاں کر دیا گیا تاکہ ایک دوسرے کے کام سے واقف نہ ہو سکیں۔
اہل چین نے رنگ و روغن اور باریک نقش و نگار سے دیواریں آراستہ کر دیں۔
ادھر اہل روم نے نہ کوئی رنگ لگایا، نہ کوئی نقش بنایا۔ وہ صرف دیواروں کو مسلسل رگڑتے، صیقل کرتے رہے، یہاں تک کہ دیواریں آئینے کی طرح چمکنے لگیں۔
وقت امتحان آیا۔ بادشاہ نے پردہ ہٹایا تو حیران رہ گیا۔ چینیوں کے حسین اور رنگین نقوش رومیوں کی صاف و شفاف دیواروں پر ایسے عکس انداز ہوئے کہ حسن میں مزید اضافہ ہو گیا۔

رومیوں کا محل ایک روحانی آئینہ بن چکا تھا،
جو نہ صرف خوبصورت تھا، بلکہ اندر کے حسن
کو اپنے باطن میں منعکس کر رہا تھا روحانی
تعبیر
مولانا رومؒ نے اس حکایت کے ذریعے صوفیاء کا
مقام واضح فرمایا ہے۔
اہل چین کی طرح ظاہر پر محنت کرنے والے بھی
اچھے ہوتے ہیں، مگر اہل روم کی مانند دل کی
صفائی کرنے والے صوفی بغیر علم ظاہر کے اخلاق
حسنہ کے ذریعے منقش ہو جاتے ہیں۔
صوفیاء اپنے دلوں کو حسد، کینہ، حرص اور
گندگی سے پاک کرتے ہیں۔
ہمارے مشائخ فرماتے ہیں:
تخلیہ مقدم ہے تحلیہ پر

یعنی غیر اللہ سے دل کو پاک کرنا، اللہ سے دل کو
آباد کرنے سے پہلے ضروری ہے۔
پہلے دل کی زمین کو گندگی سے صاف کرو، پھر
اللہ کی محبت کے پھول اس میں آسانی سے اگتے
ہیں۔
اسی لیے ہمارے مشائخ ذکر سے دل کو جلانے، غیر

اللہ کو مٹانے اور عشق الٰہی کی گرمی سے باطن کو بیدار کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

جو شخص پہلے دل کو غیر اللہ سے خالی کرتا ہے، پھر ذکر توبہ، محبت الٰہی اور اتباع شریعت کے ذریعے اس دل کو معمور کرتا ہے کامیابی اس کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔
یہی صوفیاء کا راستہ ہے سادہ روشن اور ربّ سے قریب۔

حکایت صبر و شفقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام

حضرت موسیٰ علیہ السّلام ایک مدت تک حضرت شعیب علیہ السّلام کے یہاں بکریاں چرایا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ذکر موجود ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ایک بکری ریوڑ سے نکل کر بھاگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ اتنا دوڑے، اتنے کانٹوں میں چلے کہ پاؤں میں آبلے پڑ گئے، خون رسنے لگا۔ وہ بکری دور جا کر تھک گئی اور رک گئی۔
جب آپ نے بکری کو پا لیا تو اُس پر غصہ کرنے یا مارنے کے بجائے، بڑی شفقت سے اس کی گرد جھاڑی، اس کے سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ماں کی طرح پیار کیا۔
آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور فرمایا
میں نے تو سمجھا کہ تُجھ کو مجھ پر رحم نہیں آیا، مگر تُجھے اپنے آپ پر تو رحم کرنا چاہیے تھا۔ تو نے اپنے ناتواں جسم کو تکلیف میں ڈال دیا یہ وہ وقت تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اب تک نبوت نہیں ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا:

یہی بندہ نبوت کے لائق ہے۔ جو ایک بے زبان جانور پر اتنی شفقت کرتا ہے، وہ ہماری مخلوق کا درد کیسے نہ رکھے گا
یہ چرواہی دراصل صبر تحمل قیادت اور بندوں کی اصلاح کے لیے تربیت کا عمل ہوتا ہے۔
کیونکہ بکریاں ہر وقت اِدھر اُدھر بھاگتی ہیں، انہیں سنبھالنا، اکٹھا رکھنا اور صبر سے راہ پر لانا سیکھنے والے کو ایک دن انسانوں کا راہنما بنا دیا جاتا ہے۔
جب نبی عَلَیہِ السَّلام یہ صبر کی تربیت حاصل کر لیتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ اسے روحانی چرواہی عطا فرماتا ہے یعنی لوگوں کی تربیت ان کی اصلاح ان کے دلوں کو اللہ سے جوڑنے کا عظیم منصب۔
جو بندہ دوسروں کی تکلیف پر تڑپتا ہے، ان کی اصلاح کے لیے تکلیفیں برداشت کرتا ہے، اور غصے کی جگہ شفقت اختیار کرتا ہے وہی اللہ کے خاص بندوں میں شامل ہوتا ہے۔

توکّل خودداری و عشق

بے تو از خوابِ عدم دیدہ کشودن نتواں
بے تو بودن نتواں با تو نبودن نتواں

ترجمہ:
تیرے بغیر خوابِ عدم (نیستی) سے آنکھ کھولنا ممکن نہیں،
تیرے بغیر جینا ممکن نہیں اور تیرے ہوتے ہوئے تجھ سے جدا رہنا بھی ممکن نہیں۔

صوفی تشریح:
یہ شعر عاشق کے اس حال کو بیان کرتا ہے جو ذاتِ حق کے بغیر کسی بھی حالت کو قابلِ قبول نہیں سمجھتا۔
خوابِ عدم سے آنکھ کھولنے کا مطلب ہے وجود میں آنا، یعنی محبوبِ حقیقی (اللہ) کے بغیر زندگی میں آنا ہی بے معنی ہے۔
صوفی کے نزدیک اصل زندگی اللہ کی معیت میں ہے۔
"بے تو بودن نتواں" یعنی اللہ کے بغیر زندگی، مردہ

زندگی ہے۔
"با تو نبودن نتواں" یعنی اگر تُو موجود ہے مگر میں تجھ سے دور ہوں، تو وہ قرب بھی فراق جیسا ہے۔ یہ فنا و بقا، اور قربِ الٰہی کی جستجو کا گہرا اظہار ہے۔

در جہان است دل ما کہ جہاں در دل ماست
لب فرو بند کہ ایں عقدہ کشودن نتواں

ترجمہ:
میرا دل اس جہان میں ہے، مگر پورا جہان میرے دل کے اندر ہے۔
خاموش رہ، کیونکہ اس راز کو کھولنا ممکن نہیں۔

صوفی تشریح:
یہ شعر وحدت الوجود اور عرفانِ ذات کی گہرائی بیان کرتا ہے۔ دلِ عارف وہ آئینہ ہے جس میں کائنات جلوہ گر ہوتی ہے۔
"جہاں در دل ماست" کا مطلب ہے کہ اللّٰہ کا عارف وہ مقام پا لیتا ہے کہ کائنات اس کے دل کی کیفیت بن جاتی ہے۔ یہ راز عقل و بیان سے ماورا ہے، اس لیے "لب فرو بند" یعنی خاموش رہ، یہ وہ

نکتہ ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا، صرف دل سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

دلِ یاراں ز نواہاے پریشانم سوخت
من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرودن نتواں

ترجمہ:
میرے پریشان نالوں نے یاروں کے دل جلا دیے،
میں خود اس نغمے سے تڑپ اٹھا جسے میں گا نہیں سکتا۔

صوفی تشریح:
یہاں عاشقِ صادق کی باطنی کیفیت کا بیان ہے:
اس کے نالے، آہیں، اور سوز دل سے دوسرے بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ خود ایسی باطنی آگ میں جل رہا ہے جسے بیان کرنا ممکن نہیں۔
"من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرودن نتواں" یعنی وہ سوزِ عشق ایسا ہے کہ زبان اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔
صوفیاء کے ہاں یہ کیفیت حال کہلاتی ہے جو بیان سے باہر، صرف وارداتِ قلبی کے ذریعے محسوس

ہوتی ہے۔

اے صبا! از تنک افشانی شبنم چہ شود؟
تب و تاب از جگرِ لالہ ربودن نتواں

ترجمہ:
اے صبا (خنک ہوا)، شبنم کے ہلکے ہلکے گرنے سے کیا حاصل؟
لالہ کے جگر سے اس کی حرارت اور تپش نہیں چھینی جا سکتی۔

صوفی تشریح:
یہ شعر ایک استعارہ ہے روحانی سوز اور عشقِ الٰہی کی شدت کا۔
صبا یعنی ٹھنڈی ہوا، اور شبنم یعنی صبح کی نمی، ظاہر کرتی ہیں نرمی، راحت، اور دنیوی تسکین۔
لالہ ایک ایسا پھول ہے جو اپنے اندر ایک شعلہ لیے ہوئے ہوتا ہے (علامتی طور پر عاشق کا دل)۔
شاعر کہتا ہے کہ دنیاوی راحت، ظاہری تسلی یا نرم گفتار سے عاشقِ الٰہی کے دل میں جو سوز اور تب و تاب ہے، وہ ختم نہیں ہو سکتی۔

یہ سوز عشق کی اصل علامت ہے، جو نہ سرد ہو
سکتی ہے نہ بجھ سکتی ہے۔

دل بحق بند و کشادے ز سلاطین مطلب
کہ جبیں بر درِ ایں بتکدہ سودن نتواں

ترجمہ:
اپنا دل اللہ سے وابستہ رکھ، اور حکمرانوں سے
کوئی حاجت نہ مانگ
کہ ان (دنیاوی) بت خانوں کے در پر پیشانی رگڑنا
زیب نہیں دیتا۔

صوفی تشریح:
یہ شعر توحیدِ عملی اور توکّل علی اللہ کا پرزور
درس ہے۔ صوفی کی نگاہ میں اصل بادشاہ صرف
اللہ ہے، اور اس کے در کے سوا کسی اور کے در پر
جھکنا شرک کے قریب ہے۔
دنیاوی بادشاہ، سلاطین، یا مالدار افراد اگرچہ
بظاہر اقتدار رکھتے ہیں، مگر ان کے در پر جھکنا
روحِ توحید کے منافی ہے۔
یہ شعر خودداری، فقرِ محمدی ﷺ، اور عشقِ
حقیقی کا پیغام دیتا ہے۔

"دل بحق بند" یعنی دل صرف اللہ کے ساتھ وابستہ رکھ
"جبیں بر درِ ایں بتکدہ" یعنی دنیا کے فانی دروازوں پر جھکنا، گویا باطن کی آزادی کا سودا کرنا ہے۔

حکایت شہزادہ مسحور

ایک بادشاہ کا ایک ہی لڑکا تھا جو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے آراستہ تھا۔ بادشاہ نے اپنی زندگی کے باقی حصے کے لیے ایک حسین شاہزادی سے عقد کرنے کی خواہش ظاہر کی اور ایک صالح خاندان سے رشتہ طے کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں شاہزادہ کی ماں نے بادشاہ سے کہا: آپ صالحیت اور تقویٰ کو دیکھ رہے ہیں، لیکن آپ کے مقابلے میں ان کے خاندان کا مال و عزت کم تر ہے۔

بادشاہ نے جواب دیا دور ہو، بیوقوف جو شخص دین کا غم کرتا ہے، اللہ اس کے تمام دنیاوی غموں کو دور کر دیتا ہے۔" یعنی آخرت کا غم ایسی طاقت رکھتا ہے جو دنیا کے تمام غموں کو نگل لیتا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السّلام کے عصا نے جادوگروں کے سانپوں اور کچھوؤں کو نگل لیا تھا۔

بالآخر بادشاہ اپنی بیوی پر اپنی رائے کو غالب رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور شاہزادہ کی شادی کر دی۔ طویل انتظار کے بعد، شاہزادہ اور اس کی

حسین بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ بادشاہ کو فکر لاحق ہوئی کہ کیا بات ہے؟ اس کی بیوی تو بے نظیر حسین ہے، پھر اولاد کیوں نہیں ہو رہی؟ بادشاہ نے اپنے مشیروں اور علماء و صلحاء کو جمع کیا اور اس معاملے پر خفیہ طور پر مشورہ کیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک بوڑھی عورت نے شہزادے پر جادو کر دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنی حسین بیوی سے نفرت کرتا تھا اور اس بوڑھی عورت کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس بوڑھی عورت کے جادو کی وجہ سے وہ شہزادہ اس کی بدصورت صورت کو پسند کرتا اور اپنی خوبصورت بیوی سے نفرت کرتا تھا۔

شاہ کو اس بات سے بہت غم اور صدمہ ہوا۔ اس نے صدقہ و خیرات دیا اور سجدہ میں روتے ہوئے اللہ سے مدد طلب کی۔ ابھی وہ رو رہا تھا کہ اچانک ایک مرد غیبی ظاہر ہوا اور کہا: آپ میرے ساتھ قبرستان چلیں۔ شاہ اس مرد کے ہمراہ قبرستان گیا۔ اس نے ایک پرانی قبر کھودی اور اس میں جادو کی گرہوں کو دفن پایا۔ وہ مرد غیبی ایک ایک گرہ کو کھول کر شہزادے پر دم کرتا گیا۔

شہزادہ جیسے ہی صحت یاب ہوتا گیا، آخری گرہ کھلنے پر وہ بوڑھی عورت کے جادو سے آزاد ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی وہ نظر بندی ختم ہو گئی، جس کی وجہ سے اس کی حسین بیوی خراب اور وہ خبیث بوڑھی عورت خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔ جب شہزادہ نے اس بوڑھی عورت کو دوبارہ دیکھا تو اس کے دل میں نفرت اور کراہت پیدا ہو گئی۔ اس کی عقل حیرت میں پڑ گئی کہ وہ پہلے اس بدصورت عورت کے عشق میں کیوں مبتلا تھا۔ پھر جب اس نے اپنی حسین بیوی کو دیکھا تو اس کے حسن میں اس نے چاند کی مانند روشنیت اور دلکشی پائی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔
اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کے ہوش واپس آئے اور اس کی حسین بیوی کا حسن دوبارہ اسے خوبصورت لگنے لگا۔

اے لوگو! تم بھی شہزادے کی طرح ہو اور یہ دنیا اُس بوڑھی عورت کی مانند ہے جس نے تم پر جادو کیا ہے۔ دنیا کی رنگینیاں اور اس کی فانی لذتیں انسانوں کو اپنے جال میں پھانس کر آخرت کی حقیقت اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت اور

رضا سے روکتی ہیں۔ دراصل دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے:

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو با انداز بہار آتی ہے۔

یعنی دنیا کی خوشبو اور لذتیں عارضی ہیں، جو دکھاوا اور فریب ہے۔ یہ دنیا کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گی، جیسے خزاں کا موسم آتا ہے۔ ہمیں اس فریب میں نہیں آنا چاہیے، بلکہ آخرت کی حقیقت اور اللہ کی رضا کی جانب توجہ دینی چاہیے۔

ہاتھی کے بچے کا قتل اور اس کا انجام

یہ واقعہ سرزمین ہند کا ہے، جہاں ایک قافلہ اپنے وطن سے دور جنگلوں کی وسعتوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ سفر کی مشقت اور بھوک کی شدت نے ان کی عقلیں سلب کر لی تھیں۔وہ ہاتھی کے بچے کا شکار کر رہے تھے ایسے میں ایک صاحب عقل ایک عارف مزاج مرد دانا نے اپنے ہمسفروں کو نہایت سنجیدگی سے تنبیہ کی
اے نادانو! یہ جو تمہارے سامنے ہاتھی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کی طرف نگاہ طمع نہ کرو۔ یہ معصوم اور کمزور ہیں، لیکن یاد رکھو ہاتھی کا غیظ و غضب اس جنگل میں طوفان بن کر چھا جائے گا۔ تم بھوک سے مر جانا گوارا کر لو مگر اس ظلم سے باز رہو۔
مگر جب نفس غالب آ جائے، جب عقل پر بھوک کا پردہ پڑ جائے، تو نصیحتیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ قافلے کے لوگ اس عارف کی نصیحت کو نظر انداز کر کے ایک ہاتھی کے بچے کو پکڑ لائے، اسے ذبح کیا، اور گوشت بھون کر کھا گئے۔ وہ صاحب بصیرت انسان بے ساختہ آہ بھر کر بولا

کاش! تم لوگ جنگل کی گھاس کھا لیتے، لیکن اس معصوم پر ظلم نہ کرتے۔ اب دیکھنا اس فعل قبیح کا انجام کیا نکلتا ہے۔
قافلے کے ایک شخص نے اس دانا کی بات کو دل میں بٹھا لیا۔ وہ دور ایک گوشے میں چلا گیا، اور درختوں کی گھاس و پتے کھا کر سو رہا۔ وہ جان چکا تھا کہ:
ظالموں کے ساتھ رہنے والا بھی شمار میں وہی ہوتا ہے۔ جب قہر نازل ہو تو وہ چھانٹی نہیں کرتا!"
تھوڑی ہی دیر میں ہاتھی آیا، اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا، اور دل میں اپنے جگر گوشے کے فراق کا زہر بھرا ہوا تھا۔ اس نے خون کے نشانات سونگھے اور غیض و غضب سے دھواں اس کی سونڈ سے نکلنے لگا۔ وہ پہلے اس شخص کے قریب پہنچا جو الگ سویا ہوا تھا۔ اس کے گرد تین بار چکر لگایا، اس کے منہ کو سونگھا، مگر بچے کے گوشت کی بو نہ پائی تو جان لیا کہ یہ اس قتل میں شریک نہیں۔ چنانچہ اسے چھوڑ کر کے آگے بڑھ گیا۔
جب وہ اصل قاتلوں کے پاس پہنچا تو ایک ایک کے منہ کو سونگھا اور اپنے جگر گوشے کی بو پا

کر سونڈ سے ہر ایک کو اٹھا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فضا میں اچھال دیا۔ ظلم کا وہ انجام سامنے آیا جو عبرت کی مثال بن گیا۔

مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
ظلم و ستم کی بو جسم سے نہیں، روح سے اٹھتی ہے۔"
اس ہاتھی کی سونڈ فقط گوشت کی بو نہیں سونگھ رہی تھی، بلکہ وہ اس مظلوم کی فریاد کو پہچان رہی تھی۔ یہی مثال اس ذاتِ مقدس ﷺ کی ہے جن کے دل کی آنکھیں یمن سے حضرت اویس قرنیؒ کی محبت الٰہی کی خوشبو محسوس کرتی تھیں۔
" إني لأجِدُ نَفَسَ الرَّحْمَنِ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ" "میں یمن کی جانب سے اللہ کی رحمت کی خوشبو پاتا ہوں۔"
جس رسول خدا ﷺ کے وجدان کو اویس قرنیؒ کے اخلاص کی مہک کا پتہ چل جائے، کیا وہ اہلِ باطل منافق اور اہل ظلم کو نہ پہچانے گے؟

اے انسان تو گناہ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ چھپ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ تیری حرص، لالچ، حسد

اور کینہ کی بدبو تیرے الفاظ سے، تیرے اعمال
سے، اور تیرے باطن سے ظاہر ہو جاتی ہے، جیسے
پیاز کھانے والے کے منہ سے بدبو چھپ نہیں
سکتی۔
میرے مرشد کریم سخی سلطان سید چراغ شاہ
بخاری سمجھاتے ہیں
ہاتھی کو خود تکلیف دینا اتنا خطرناک نہیں جتنا
اس کے بچے کو چھیڑنا ہے۔"
یعنی اللہ رب العزت اگر اپنی نافرمانی پر معاف
بھی کر دے، مگر اللہ کے ولیوں، فقیرانِ حق، اور
اہلِ محبت کو اذیت دینے والوں سے خود انتقام
لیتا ہے۔
جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا

" من عادى لي وليًا فقد آذنته بالحرب" "جس نے
میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں اس کے
خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔
اے لوگو اپنے اندر کے ظلم کو پہچانو، توبہ کرو
اور اہلِ حق سے محبت اور ادب سے پیش آؤ۔
اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب بندوں کا ادب کرنے
ان کی قدر پہچاننے اور ان کی صحبت کا فیض
حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حکایت
پیار کرنا مجنوں کا لیلٰی کی گلی کے کتے کو

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مجنوں نے لیلیٰ کی گلی کے کتے کو کہیں دیکھا، پہچان لیا اور بے اختیار ہو کر اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور پیار کیا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا: "اے پاگل! یہ کیا کر رہا ہے؟ ایسے ناپاک اور عیب دار جانور سے محبت کرتا ہے ؟

مجنوں نے جواب دیا:
اے معترض! تُو تو صرف ظاہر کا پجاری ہے محض جسم کو دیکھتا ہے۔ تو عشق کے ذوق سے نا آشنا ہے۔ تو میرے دل کی کیفیت نہیں جانتا نہ ہی میری آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔
یہ کتا میرے مولیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور میری لیلٰی کی گلی کا دربان بھی ہے۔ میرے نزدیک اس گلی میں رہنے والے کتے کی خاک بھی شیر کی گردن سے بہتر ہے۔
تو کیا جانے جو کتا لیلٰی کی گلی میں رہتا ہے، اس کی قدر و قیمت میری نظر میں اتنی ہے کہ میں

ہزار شیر لے کر بھی اس کے ایک بال کو نہیں دوں گا۔
بہت سے شیر اس کتے کے غلام ہو چکے ہیں، مگر چونکہ یہ باتیں زبان سے ادا نہیں ہوتیں، اس لیے میں خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ والسّلام
اے اہلِ دل اگر تم صورت پرستی سے بلند ہو جاؤ اور مخلوق کے خالق سے رابطہ قائم کر لو تو سمجھ لو کہ وہی حسن کا اصل سرچشمہ ہے۔ تب دنیا تمھارے لیے جنت بن جائے گی اور ہر جانب گلزار ہی گلزار دکھائی دے گا
اس حکایت میں ہمیں سیکھنے کو ملتا ہے کہ مجنوں کا عشق لیلیٰ کے ساتھ اس قدر سچا تھا

کہ اس نے لیلیٰ کی گلی کے کتے کو بھی محبوب جانا۔ تو پھر اللہ کے عاشقوں کو حرمین شریفین کے باسیوں، خدام اور اہل حرم سے محبت کیوں نہ ہو؟
بعض لوگ حج سے واپس آ کر وہاں کی تکالیف اعتراضات اور شکایات کرتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہو سکتی ہے کہ ان کا حج، روحانی قرب اور ادب سے خالی تھا۔
حدیث شریف میں آیا ہے:

"اے لوگو! اہل عرب سے محبت رکھو۔
اسی طرح اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اولیائے کرام بالخصوص اپنے شیخ و مرشد اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ ادب و محبت رکھنی چاہیے۔ کیونکہ ان سے محبت ان کی خدمت اور ان کا احترام دراصل اللہؐ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:
اے خدا ہم آپ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں، کیونکہ بے ادب وہی ہوتا ہے جو آپ کے فضل سے محروم ہوتا ہے۔
یا اللہؐ ! ہم سب کو ادب کی توفیق عطا فرما، اور اپنے اولیاء و محبوب بندوں کی عظمت و حرمت دل میں جاگزیں فرما۔ آمین

پیوستہ رہ شجر سے

این گنبد مینائی، این پستی و بالائی
در شد بدل عاشق با این ہمہ پہنائی

ترجمہ:
یہ نیلا آسمان (یہ مینائی گنبد)، یہ بلندی و پستی (یعنی بلند و پست مقامات)،
محبت کرنے والے کے دل میں سما گئے، اپنی ساری وسعت کے ساتھ۔

تشریح:
یہ دنیا اور آسمان، اپنی تمام ظاہری وسعت و عظمت کے باوجود، ایک عاشقِ حق کے دل میں سمٹ جاتی ہے۔
عاشق کا دل اللہ کے جمال و جلال سے بھرپور ہوتا ہے، وہ دل اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ پوری کائنات اس میں جذب ہو سکتی ہے۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ باطن کی وسعت ظاہر سے بڑی ہوتی ہے۔

اسرارِ ازل جوئی، بر خود نظرے وا کن
یکتائی و بساری، پنہائی و پیدائی

ترجمہ:
اگر تُو ازل کے رازوں کی تلاش میں ہے، تو پہلے
اپنے نفس پر نظر ڈال،
تو دیکھے گا کہ وحدت (یکتائی) اور کثرت
(بساری)، پوشیدگی اور ظاہر ہونا، سب کچھ تُو
ہی ہے۔

تشریح:
توحید و کثرت، غیب و شہود، سب تیرے اپنے اندر
پوشیدہ ہیں۔
جو اللہ کے راز جاننا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ خود
شناسی کرے۔ کیونکہ: "من عرف نفسہ فقد عرف
ربہ" "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اُس نے
اپنے رب کو پہچان لیا۔"

اے جان گرفتارم، دیدی کہ محبت چیست؟
در سینہ نیا سائی، از دیدہ بروں آئی

ترجمہ:
اے میرے اسیر دل! کیا تُو نے دیکھا کہ محبت کیا ہوتی ہے؟
وہ دل میں نہ سماسکی، اور آنکھوں سے چھلک پڑی۔

تشریح:
یہ محبتِ حقیقی کی شدت ہے، جو دل میں رہنے کی بجائے آنکھوں سے اشک بن کر بہنے لگتی ہے۔ یہاں عشقِ الٰہی کی ایک کیفیت بیان ہو رہی ہے کہ جب دل تنگ پڑ جائے، تو محبت آنکھوں کے ذریعے ظاہر ہونے لگتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عاشق خاموش ہوتا ہے، اور آنکھیں بولنے لگتی ہیں۔

بر خیز کہ فروردیں افروخت چراغِ گل
بر خیز و دمے بنشیں با لالہ صحرائی

ترجمہ:
اٹھو کہ بہار (فروردین) نے گلوں کے چراغ روشن کر دیے ہیں،
اٹھو اور کچھ لمحے صحرائی لالہ کے ساتھ بیٹھو۔

تشریح:
جیسے بہار میں ہر شے نکھر جاتی ہے، ویسے ہی سالک (راہِ حق کا طالب) جب روحانی مقام پر پہنچتا ہے تو دل میں انوارِ الٰہی کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ لالہ صحرائی کا مطلب ہے:
وہ سادہ، بےنقاب حسن جو قدرت میں بےساختہ نظر آتا ہے۔ اٹھ اور فطرت کے حسن میں ربّ کی جھلک کو محسوس کر، کیوں کہ ہر پھول ایک آیت ہے جمالِ حق کی۔

عشق است و ہزار افسوں، حسن است و ہزار آئیں
نے من بہ شمار آیم، نے تو بہ شمار آئی

ترجمہ:
یہ عشق ہے، اور ہزاروں جادو اس میں پوشیدہ ہیں،
یہ حسن ہے، اور اس کے ہزاروں انداز ہیں۔
نہ میں شمار میں آتا ہوں، نہ تُو کسی گنتی میں سماتی ہے۔

تشریح:
عشقِ الٰہی ایک بحرِ بےکراں ہے، اس کی گہرائیاں،

اس کے راز، اس کے انداز سب لامحدود ہیں۔
"نے من بہ شمار آیم، نے تو بہ شمار آئی"
یہ فنا فی اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ عاشق بھی لامحدود ہو جاتا ہے، اور معشوق (اللہ) تو ازل سے ہی لاحد ہے۔
جب دو بےپایاں حقیقتیں ملتی ہیں، تو گنتی، عقل، شعور، سب عاجز ہو جاتے ہیں۔

صد رہ بہ فلک بر شد، صدرہ بہ زمیں در شد
خاقانی و فغفوری، جمشیدی دارائی

ترجمہ:
سینکڑوں راستے آسمان تک چلے گئے، اور "صدرہ" (سدرۃ المنتہیٰ) زمین پر اتر آئی، (ایسا جمال و جلال ہے) کہ بادشاہوں، خاقانوں، فغفوروں، جمشیدوں کی دولت بھی ہیچ ہو گئی۔

تشریح:
جب روحانی جمال ظہور پذیر ہوتا ہے، تو وہ آسمان کی بلندیوں کو زمین پر لے آتا ہے۔
بادشاہوں، سلاطین، خاقان، فغفور، جمشید سب علامتیں ہیں دنیاوی شان و شوکت کی،

لیکن جب عشقِ الٰہی کی حقیقت آشکار ہوتی ہے،
تو یہ سب دنیاوی عظمتیں بےمعنی ہو جاتی ہیں۔

ہم با خود و ہم با اُو، ہجراں کہ وصال است ایں
اے عقل! چہ می گوئی؟ اے عشق! چہ فرمائی؟

ترجمہ:
ہم خود کے بھی ساتھ ہیں اور اُس (اللہ) کے بھی
ساتھ یہ ہجر ہے یا وصال؟
اے عقل! تو کیا کہتی ہے؟ اور اے عشق! تیرا کیا
فرمان ہے؟

تشریح:
میں اپنے شعور میں بھی ہوں، اور اللہ کی قربت
میں بھی ہوں۔
تو کیا یہ فراق ہے یا وصال؟ عقل تو فیصلہ نہیں
کر سکتی، کیونکہ یہ کیفیت عقل کے دائرے سے
باہر ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو کہتا ہے:
یہ بیک وقت ہجر بھی ہے اور وصال بھی، کیونکہ
اللہ دور بھی ہے اور پاس بھی — بلکہ "میں" بھی
"وہی" ہے۔جیسے سرمہ اور آنکھ

ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تو داری و نہ من
جگر گرمیِ صحرا، نہ تو داری و نہ من

ترجمہ:
لیلیٰ (یعنی محبوبِ حقیقی) کے گھر تک پہنچنے کی سچی لگن – نہ تیرے پاس ہے، نہ میرے پاس، صحرا کی جگر سوز گرمی (یعنی قربانی و جنون) وہ بھی نہ تجھ میں ہے، نہ مجھ میں۔

تشریح:
اگر ہم واقعی محبوب (اللہ) کو چاہتے، تو ہمارے اندر وہ تپش، وہ سوز، وہ قربانی، وہ بے قراری ضرور ہوتی جو مجنوں میں تھی۔ ہم دعویٰ عشق تو کرتے ہیں، مگر وہ مقامِ فداکاری ہمارے اندر نہیں

من جواں ساقی و تو پیر کہن میکدہ
بزمِ ما تشنہ و صہبا نہ تو داری و نہ من

ترجمہ:
میں ہوں جوان ساقی، اور تُو ہے پرانا مے خانہ (جسے زمانے گزر گئے)،

ہماری محفل پیاسی ہے، اور شرابِ عشق — نہ تیرے پاس ہے، نہ میرے۔

تشریح:
صوفی اپنے نفس اور زمانے کے ظاہر پر طنز کرتا ہے: تو پرانا مے خانہ ہے، میں جوان ساقی ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عشق کی شراب کسی کے پاس نہیں۔ نہ ہم پلانے والے ہیں، نہ پینے والے۔ محفل سجی ہے، لیکن معانی سے خالی ہے۔

دل و دیں در گرو زہرہ و شانِ عجمی
آتشِ شوقِ سلیمی، نہ تو داری و نہ من

ترجمہ:
ہم نے دل اور دین (ایمان) کو زہرہ و شانِ عجمی (یعنی دنیاوی حسن و ظاہر پرستی) کے گروی رکھ دیا ہے،
حضرت سلیمانؑ جیسا شوقِ الٰہی کا الاؤ — وہ نہ تمہارے پاس ہے، نہ میرے۔

تشریح:
زہرہ اور عجمی شان سے مراد ہے:

موسیقی، لذت، حسن، ظاہر، فخر، طاقت۔
ہم نے دل اللہ کے بجائے دنیا کے فتنے کو دے دیا ہے، اس لیے حضرت سلیمانؑ جیسے خلوص و شوقِ الٰہی سے محروم ہیں۔
یہ باطنی فقر و حسرت کی کیفیت ہے — ایک ایسی آگ جو سچی توبہ کو جنم دیتی ہے۔

خزفے بود کہ از ساحل دریا چیدیم
دانہ گوہرِ یکتا، نہ تو داری و نہ من

ترجمہ:
ہم نے تو صرف سمندر کے کنارے سے معمولی پتھر چُنے،
وہ اصل اور نایاب گوہر — نہ تمہارے پاس ہے، نہ میرے۔

تشریح:
ہم نے صرف ظاہر چُنا، حقیقت نہیں۔
خزف (کھوٹا پتھر) = ظاہر پرستی، عمل کا ریا، زبانی عبادت
گوہرِ یکتا = معرفتِ الٰہی، قربِ حقیقی
یہ شعر سالک کے باطنی احساسِ خسارہ کو ظاہر

کرتا ہے جیسے کوئی قیمتی خزانے سے خالی ہاتھ لوٹ آئے۔

و گر از یوسفِ گم گشتہ سخن نتواں گفت
تپشِ خونِ زلیخا، نہ تو داری و نہ من

ترجمہ:
اگر ہم گمشدہ یوسف (یعنی اللہ یا کامل محبوب) کی بات بھی نہ کر سکیں،
تو زلیخا کی طرح خون جگر کا درد بھی — نہ تم میں ہے، نہ مجھ میں۔

تشریح:
یہ شعر محبت میں اخلاص کی کمی پر طنز ہے۔
یوسف گم گشتہ = اللہ تعالیٰ، یا وہ نورِ ہدایت جو ہم سے کھو گیا ہے
زلیخا کا خونِ جگر = خالص عشق، قربانی، فداکاری، رونا، تڑپنا
یعنی ہم دعویٰ تو کرتے ہیں کہ "ہمیں اللہ نہیں ملا"، لیکن نہ ہمارے آنسو زلیخا جیسے ہیں، نہ درد ویسا ہے۔محبت میں سچائی کی وہ تپش، وہ طلب ہم میں نہیں۔

بہ کہ با نورِ چراغ تہِ داماں سازیم
طاقتِ جلوۂ سینا، نہ تو داری و نہ من

ترجمہ:
بہتر یہی ہے کہ چراغ (نورِ حقیقت) کو دامن کے نیچے چھپا کر رکھیں،
کیونکہ کوہِ طور کی طرح اللہ کے جلوے کو برداشت کرنا — نہ تمہارے بس میں ہے، نہ میرے۔

تشریح:
یہاں اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعہ کی طرف ہے، جب وہ اللہ کے جلوے کو دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔
حق کی تجلی اتنی شدید ہے کہ عام انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتا، اس لیے بہتر ہے کہ اُسے دل کے اندر چھپا لیا جائے — ظاہر میں نہیں۔
یہ بھی تعلیمِ فقر ہے:
خاموش رہنا، چھپ کر عشق کرنا، اور ظاہر سے زیادہ باطن کو سنوارنا۔

دلیلِ منزل شو، قسم بدامنم آویز
شرر ز آتشِ نابم، بخاکِ خویش آمیز

ترجمہ:

(اے رہروِ راہِ حق!) تو دلیلِ منزل بن جا، میرے دامن کو اپنی قسم کا نشان بنا لے،
اور میری خالص آگ کا ایک شرر لے جا کر اپنی خاک میں شامل کر دے۔

تشریح:

تو خود ایک رہنما بن جا۔
میرا دامن (یعنی میرا اخلاص، میری طلب) تیرے لیے نشانِ صداقت ہو۔ میری سچی محبت اور سوزِ باطن کی چنگاری — تُو لے جا اور اپنے نفس میں شامل کر، تاکہ تُو بھی جلنے لگے، بیدار ہو جائے۔
یہ شعر فیضِ ولایت، روحانی تربیت اور باطنی روشنی کی منتقلی کا اشارہ ہے۔

عروسِ لالہ برون آمد از سرا چہ ناز
بیا کہ جانِ تو سوزم، ز حرفِ شوق آمیز

ترجمہ:

لالہ کی دلہن (یعنی بہار یا فطرت کی جلوہ گری) ناز سے اپنے خیمے سے باہر آ گئی ہے،
آ، کہ میں تیری جان کو شوق سے لبریز الفاظ سے

جلا دوں۔

تشریح:
صوفی فطرت کے مظاہر (لالہ، بہار) کو عشق کی علامت بناتا ہے، اور دوسرے کو پکار کر کہتا ہے:
موسم جاگنے کا ہے۔ راز افشا ہو چکے ہیں۔
آ، میں تجھے شوقِ حقیقی کی باتیں سناؤں، جو تیری روح کو جلا دیں، تاکہ تُو بھی "زندہ دل" بن جائے۔

در جہانِ دلِ ما دورِ قمر پیدا نیست
انقلابی‌ست، ولے شام و سحر پیدا نیست

ترجمہ:
ہمارے دل کی دنیا میں چاندنی رات جیسا کوئی دور نظر نہیں آتا،
انقلاب تو ہے، لیکن اس میں نہ کوئی شام ہے نہ سحر (یعنی نہ ابتدا ہے نہ انتہا)۔

تشریح:
یہاں دل کو ایک جہان کہا گیا ہے، جہاں قمر (چاند) یعنی ظاہری روشنی ناپید ہے، لیکن وہاں

باطنی انقلاب جاری ہے — ایک ایسا انقلاب جس کا کوئی آغاز یا انجام نہیں۔ یہ کیفیت عشقِ مجازی سے نکل کر عشقِ حقیقی میں داخل ہونے کی علامت ہے۔
صوفی راستہ عقل کی رات دن سے جدا کر کے دل کی رات دن میں ڈالتا ہے، جہاں سب کچھ "بے وقت" اور "بے رنگ" ہو جاتا ہے — بس سوز ہوتا ہے، اور جلتا ہوا باطن۔

وائے آں قافلہ کز دونی ہمت میخواست
راہ گزاری کہ دورِ ہیچ خطر پیدا نیست

ترجمہ:
افسوس ہے اُس قافلے پر جو کم ہمت سے منزل کا طالب ہے،
ایسے راہ گزار کی تلاش میں ہے جہاں کوئی خطرہ ہی نہ ہو۔

تشریح:
راہِ عشق، راہِ خدا، راہِ فقر — آسان نہیں ہوتی۔ جو لوگ کم ہمت ہوتے ہیں، وہ خطرے سے خالی راہ کے طالب ہوتے ہیں، حالانکہ عشق کی راہ تو

قربانی، فنا، تکلیف، آزمائش اور سوز سے بھری ہوتی ہے۔ یہ شعر راہِ حقیقت میں سستی، خوف یا نرمی تلاش کرنے والوں کے لیے تنبیہ ہے:
"یہ قافلہ تیرے لیے نہیں — تو عشق کی جرأت پیدا کر!"

بگذر از عقل و دو آویز باموجیمِ عشق
کہ در آں جوےِ تنک‌مایہ، گھر پیدا نیست

ترجمہ:
عقل سے آگے بڑھ جا اور عشق کی موج سے لپٹ جا،
کیونکہ اُس تنگ ندی (یعنی محدود فہم) میں کوئی قیمتی گوہر نہیں ملتا۔

صوفیانہ تشریح:
عقل محدود ہے، عشق لامحدود۔ عقل کا ندی نالہ تنگ ہے — وہاں "حقیقت کا موتی" نہیں نکلتا۔
"عشق کی تند و تیز موجوں میں چھلانگ لگا، کیونکہ گوہرِ حقیقت، وصالِ حق، اسی میں ہے۔"
یہ شعر مولانا رومیؒ، بایزیدؒ اور سلطان باھوؒ

سلطان چراغ شاہؒ جیسے عارفین کاملین کی تعلیم کا نچوڑ ہے:
عشق کرو، سوچو نہیں! جل جاؤ، بچو نہیں!

آنچہ مقصودِ تگ و تازِ خیالِ من و تست
ہست در دیدہ و مانندِ نظر پیدا نیست

ترجمہ:
جو کچھ میرے اور تمہارے خیالوں کی دوڑ دھوپ کا مقصود ہے،
وہ ہماری ہی آنکھ میں موجود ہے، لیکن نظر کی طرح ظاہر نہیں ہوتا۔

تشریح:
ہم جس حقیقت کو باہر تلاش کرتے ہیں، وہ ہماری اپنی آنکھوں میں، یعنی باطن میں موجود ہے مگر جیسے "نگاہ" نظر نہیں آتی ، ویسے ہی ذاتِ حق پوشیدہ ہے، مگر موجود ہے۔ جس کی تلاش میں دنیا چھان رہے ہو، وہ خود تیرے دل میں بیٹھا ہے۔ بس نگاہ کو "نگرانی" میں بدلنا ہو گا، اور عقل کو "عشق" کے سپرد کرنا ہو گا۔

گریۂ ما بے اثر، نالۂ ما نارسا ست
حاصلِ ایں سوز و ساز یک دلِ خوں نِوا ست

ترجمہ:
ہمارا رونا بے اثر ہے، ہمارا نالہ ناتواں ہے،
اس ساری تڑپ کا حاصل ایک خون سے بھرا دل
ہی ہے۔

تشریح:
تصوف میں رونا، نالہ کرنا، سوز و گداز ضروری ہے
مگر اس کا حقیقی حاصل دل کی وہ جلن اور
سوز ہے جو خالص کر دے۔
یہ شعر دعا، فقر، اور عشق میں اخلاص کی بات
کرتا ہے کہ رونا، فقط ادا نہیں — جب دل خون ہو
جائے، تب ہی دعا، نالہ، سوز اثر کرتا ہے۔

در طلبش دل تپید، دیر و حرم آفرید
ما بہ تمنائے او، او بہ تماشائے ماست

ترجمہ:
اس (محبوب) کی تلاش میں دل تڑپا، اور اس
تڑپ نے دیر و حرم پیدا کیے،

ہم اس کی تمنا میں ہیں، اور وہ ہمارا تماشائی ہے۔

صوفیانہ تشریح:
ذاتِ حق کو انسان کے دل کی طلب نے "وجود" کے پردے پر ظاہر کیا۔ یہ انسان کی طلب تھی جس سے عبادت گاہیں، مذہب، عشق، تلاش کی صورتیں پیدا ہوئیں۔ ہم تڑپ میں ہیں، اور وہ (اللہ) دیکھ رہا ہے، تماشائی ہے۔
یہی عبد و معبود، عاشق و معشوق کا رشتہ ہے۔

پردگیاں بے حجاب، من بہ خودی در شدم
عشقِ غیورم نگر، میلِ تماشا کُر است

ترجمہ:
پردے سب اٹھ گئے، اور میں خودی میں داخل ہو گیا،
میرا عشق غیرت مند ہے، دیکھنے کا شوق (تماش بینی) اس سے گناہ ہے۔

تشریح:
یہاں خودی سے مراد "باطنی معرفت" ہے، جو حضرت اقبالؒ نے بھی بار بار بیان کی۔

کہ جب میں خودی میں داخل ہوا (یعنی اپنی روح کی حقیقت پہچانی)، تو پردے ہٹ گئے حق ظاہر ہو گیا، معرفت کی آنکھ کھل گئی۔
"عشقِ غیور" کا مطلب ہے ایسا عشق جو غیر کی نظر کو برداشت نہیں کرتا۔
محبوبِ حقیقی صرف اس عاشق سے پردہ اٹھاتا ہے جو محض تماشائی نہ ہو، بلکہ فنا ہو چکا ہو۔

مطربِ مے خانہ دوش، نکتۂ دلکش سرود
بادہ چشیدن خطاست، بادہ کشیدن رواست

ترجمہ:
گزشتہ رات مے خانہ کے مطرب نے ایک دلکش نکتہ گایا:
شراب کو چکھنا خطا ہے، اسے کھینچ کر پینا روا ہے۔

تشریح:
"مے خانہ" روحانی مقام ہے، جہاں ذکر، عشق، اور فنا کی شراب پلائی جاتی ہے۔
مطرب وہ مرشد ہے جو دل کی تار چھیڑتا ہے۔
یہاں "چکھنا" یعنی صرف ظاہری ذکر، سطحی

طلب
"کشیدن" یعنی پورے وجود کو عشق میں غرق کرنا۔
آدھا تیرا، آدھا دنیا کا — یہ عشق نہیں۔
عشق تو مکمل فنا ہے، مکمل سپردگی ہے۔

زندگی رہرواں در تگ و تاز است و بس
قافلۂ موج را جادہ و منزل کجاست؟

ترجمہ:
مسافروں کی زندگی بس دوڑ دھوپ میں ہے،
موجوں کے قافلے کی کوئی راہ یا منزل کہاں ہے؟

تشریح:
دنیا والے صرف "دوڑتے" ہیں — مگر انہیں نہ راہ معلوم ہے نہ منزل۔
ان کی مثال ان موجوں کی ہے جو بس بہتی ہیں، مگر کسی ساحل پر نہیں پہنچتیں۔ عاشقِ حق وہ ہے جو منزل کو بھی پہچانتا ہے، اور راہ کو بھی اور یہ دونوں فقط مرشدِ کامل کی رہنمائی سے عطا ہوتی ہیں۔

شعلہ در گیر زد بر خس و خاشاکِ من
مرشدِ رومی کہ گفت: منزلِ ما کبریا ست

ترجمہ:
میرے اندر کے خس و خاشاک (باطنی گندگی) کو شعلے نے جلا دیا
کیونکہ میرے مرشد رومی نے کہا تھا: ہماری منزل تو "کبریا" (الٰہی عظمت) ہے۔

تشریح:
"خس و خاشاک" = دل کی دنیاوی آلائشیں، نفس کی رکاوٹیں۔
"شعلہ" = عشقِ الٰہی کا نور، جو مرشد کے فیض سے جلتا ہے۔
"مرشدِ رومی" = حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ، جو فرماتے ہیں کہ:
"منزلِ عاشق نہ دنیا ہے، نہ جنت – بلکہ ذاتِ حق کی کبریائی ہے۔"
یہ وہی آگ ہے جس کا ذکر حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلام کے حال میں ہے
جو ظاہری نہیں، بلکہ باطنی آگ ہے – جو جلاتی نہیں، پاک کرتی ہے۔

غافل ترے ز مردِ مسلماں نہ دیدہ‌ام
دل درمیانِ سینہ و بیگانہ دل است

ترجمہ:
میں نے مسلمان مرد سے زیادہ غافل کوئی نہیں دیکھا
کہ سینے میں دل تو ہے، مگر وہ دل، دل کے لائق نہیں۔

تشریح:
آج کے مسلمان کا حال یہ ہے کہ زبان پر اللہ کا نام ہے، مگر دل غیر اللہ سے پُر ہے۔ جسم مسلمان، مگر روح غافل۔ نماز ہے، قرآن ہے — مگر دل بیدار نہیں۔ دل اگر اللہ سے بیگانہ ہو،
تو وہ گوشت کا لوتھڑا ہے — "دل" نہیں۔

گُہرِ صَدَف

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر

ترجمہ:
اے محبوب حقیقی! تیرے حسن کے تابدار گیسو (نورِ جمال) کو اور زیادہ روشن کر دے،
ایسا حسن ظاہر ہو کہ میری عقل، فہم، دل اور نگاہ سب تیرے عشق میں محو ہو جائیں۔

تشریح:
یہاں "گیسوئے تابدار" اللّٰہ کے حسنِ ازلی یا "نورِ جمال" کی علامت ہے۔
یا ربّ اپنا حسن ایسا ظاہر فرما کہ میری عقل (خرد) اور دل و نگاہ سب تیرے اسیر ہو جائیں۔
"ہوش و خرد شکار کر" = عقل و فہم کو مغلوب کر دینا
"قلبِ و نظر شکار کر" = دل کو بے خودی میں ڈال دینا، نگاہ کو دیدار میں فنا کر دینا
عشقِ حقیقی وہ ہے جو انسان کی عقل کو ماوراء

کر دے، اور دل و نگاہ کو محبوب کے جلوے میں فنا کر دے۔

عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو، یا مجھے آشکار کر

ترجمہ:
جب عشق بھی پردے میں ہو، حسن بھی پردے میں ہو،
تو یا تو تُو خود ظاہر ہو جا، یا مجھے ایسا کر کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

تشریح:
یہاں حجاب یعنی پردے، نفس و دنیا کے پردے ہیں، جو: عشق کو بھی مکمل ظاہر ہونے نہیں دیتے اور حسنِ الٰہی کو بھی انسان کی نگاہ سے چھپا دیتے ہیں۔ صوفی دعا کرتا ہے:
یا تو اپنی تجلی سے مجھے بے حجاب کر دے، یا مجھے باطن کی آنکھ دے دے تاکہ میں تجھ کو پہچان سکوں۔
"اے اللہ! یا تو خود جلوہ فرما، یا مجھے فنا کر کے

اپنی معرفت میں باقی رکھ۔"

تو ہے محیطِ بیکراں، میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر، یا مجھے بے کنار کر

ترجمہ:
تو ایک لامحدود سمندر (محیط) ہے، اور میں ایک معمولی سی ندی کی مانند،
یا تو مجھے اپنے کنارے پر لا کر ہم آغوش کر دے،
یا مجھے بھی لا محدود کر دے، خود میں فنا کر دے۔

تشریح:
یہ شعر فنا فی اللہ کی عظیم کیفیت بیان کرتا ہے۔
"محیط بیکراں" = اللہ کی ذاتِ لا محدود
"آبجو" = بندہ، جو کمزور، محدود اور فانی ہے
بندہ عرض کرتا ہے:
یا تو مجھے اپنے قرب میں لے آ، یا مجھے ایسا بنا دے کہ میں اپنی ہستی بھلا کر تیری وسعت میں فنا ہو جاؤں۔
"کامل عشق کا انجام ہے: اپنی ہستی کا فنا اور محبوب حقیقی کی وسعت میں باقی ہونا۔"

میں ہوں صدف، تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف، تو تو مجھے گوہرِ شاہوار کر

ترجمہ:
اے محبوب حقیقی! اگر میں صدف (سیپ) ہوں
تو میرے اندر کا موتی تیری عطا سے قابلِ فخر بنے۔
اگر میں صرف ایک معمولی پتھر (خزف) ہوں، تو
ٹو مجھے اپنی عنایت سے قیمتی گوہر بنا دے۔

تشریح:
یہاں انسان اپنی عاجزی اور کم مائیگی کا اظہار کر رہا ہے:
"صدف" = انسان کا باطن جو موتی (روحانی کمال) پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے
"گہر کی آبرو تیرے ہاتھ" = اصل عظمت تیرے فیض سے ہے، اے ربّ
"خزف" = عام مٹی کا پتھر (جس میں کچھ نہ ہو)
"گوہرِ شاہوار" = بادشاہوں کے قابل قیمتی موتی = ولی، عارف، کامل
"یا رب! اگر میں کچھ بھی ہوں تو بس تیرے

فیض سے ہوں۔ مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیری رضا کا مظہر بن جاؤں۔"

نغمہء نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دمِ نیم سوز کو طائرکِ بہار کر

ترجمہ:
اگر میرے نصیب میں بہار کے نغمے نہیں (یعنی روحانی خوشی اور وصال نہیں)،
تو کم از کم میرے اس جلتے بجھتے سانس کو بہار کی خوشبو دینے والا پرندہ بنا دے۔

تشریح:
یہاں "دمِ نیم سوز" = عاشق کی ادھ جلی سانسیں، جن میں سوز تو ہے، لیکن تکمیل نہیں۔
"نغمۂ نو بہار" = وصالِ الٰہی، روحانی راحت
عاشق فریاد کرتا ہے:
اگر تُو مجھے اپنی مکمل معرفت نہ دے، تو میرے اسی سوز کو اپنا نغمہ بنا دے، تاکہ میں تیرے ذکر کا پرندہ بن کر چہک سکوں۔
"وصال نہ ملے، تو جدائی ہی میں لطف دے دے۔
سوز و تڑپ عطا کر دے

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں؟
کارِ جہاں دراز ہے، اب مرا انتظار کر

ترجمہ:
اے رب! تُو نے مجھے جنت کے باغ سے نکال کر
دنیا کے سفر پر کیوں روانہ کیا؟
اب جب دنیا کے کام لمبے ہیں، تھکا دینے والے ہیں،
تو مجھ سے وصال کے لیے کچھ تھوڑا انتظار کر۔

تشریح:
یہاں آدم علیہ السّلام کی تمثیل کے ذریعے انسانی
روح کی جلاوطنی اور واپسی کی طلب بیان کی
گئی ہے۔
"باغِ بہشت" = اصل مقام، قربِ الٰہی
"حکمِ سفر" = دنیا میں آنا (روح کا عالمِ ناسوت
میں آنا)
"کارِ جہاں دراز ہے" = زندگی کا فانی، پر مشقت
سفر
"اب مرا انتظار کر" = اے اللہ! میں واپس آ رہا
ہوں، مجھے جلد بلا لے
"یہ دنیا میری اصل منزل نہیں، میری روح کا
وطن تیرا قرب ہے۔ مجھے واپس بلا، یا کم از کم

میری تڑپ کو قبول کر۔"

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر

ترجمہ:
قیامت کے دن جب میرا اعمال نامہ تیرے سامنے پیش ہو،
تو اے میرے رب! تُو بھی (اپنی رحمت کے ناز سے) شرمندہ ہو، اور مجھے بھی شرمندہ کر دے (تا کہ بخش دے)۔

تشریح:
یہ شعر محبت و بندگی کے انتہائی لطیف رشتے کو ظاہر کرتا ہے:
"دفترِ عمل" = انسان کے تمام اعمال کا ریکارڈ
"شرمسار ہو" = ظاہراً محبوبِ حقیقی (اللہ) کو کوئی شرمندگی نہیں،
لیکن یہ عاشق کی زبانِ محبت ہے، کہ:
یا اللہ! میری حالت ایسی بنا دے کہ تیرا بھی دل بھر آئے، تُو بھی اپنی صفتِ رحمت سے مغلوب ہو جائے۔

"مجھ کو بھی شرمسار کر" = یعنی میرے گناہوں پر مجھے بھی ندامت ہو، مگر وہ ندامت تیرے رحم کی چابی بن جائے۔

اللّٰہ سے سچا تعلق صرف عدل نہیں، رحمت اور محبت ہے۔ عاشق، قیامت میں بھی اپنے ربّ کو دوست مانتا ہے — اور اس کی شرم، محبت اور عنایت مانگتا ہے۔

باده و جام

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی

ترجمہ:
اے ساقی (مرشد، محبوب حقیقی)، ایک بار پھر وہی جام اور شرابِ معرفت پلا دے،
تاکہ میں اپنا اصل مقام، اپنی روحانی پہچان، حاصل کر سکوں۔

تشریح
"بادہ و جام" = شرابِ معرفت، تجلی، عشقِ الٰہی
"ساقی" = مرشدِ کامل، یا خود ذاتِ حق
"مقام" = روحانی درجہ، قرب، فناء، بقاء
سالک کہتا ہے: اے رب! مجھے وہی کیف، وہی نور، وہی سوزِ محبت عطا کر، تاکہ میں تیری پہچان پا سکوں، اپنی حقیقت جان سکوں۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

ترجمہ:
ہندوستان میں معرفت کے جام پینے والے مے خانے
تین سو برس سے بند پڑے ہیں،
اب ضروری ہے کہ تُو (اے ساقی) اپنا فیض عام
کرے اور ہر دل کو سیراب کرے۔

تشریح:
"میخانے بند" = حقیقت و باطن کی تعلیم مفقود
ہے
"فیض ہو عام" = تجدیدِ دین، باطنی علم اور
عشقِ حقیقی کی روشنی عام ہو
یہ شعر تجددِ روحانیت اور باطنی انقلاب کا
مطالبہ ہے۔
جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ یا حضرت سلطان
باھوؒ کے بعد باطنی فیض کم ہوا، تو اب اس کی
ضرورت پھر شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

ترجمہ:
میرے کلام (غزل) کی صراحی میں تھوڑی سی

شرابِ عشق باقی تھی،
لیکن ظاہری ملاں نے فتویٰ دے دیا کہ یہ بھی
حرام ہے،

تشریح:
"مینائے غزل" = عشق و سوز میں ڈوبی شاعری
"حرام" کہنا = ظاہر پرست علما جو عشق و
معرفت کی رمز کو نہیں سمجھتے
"ساقی" = وہ ذات جو معرفت عطا کرے (مرشد
یا اللہ) یہ عشق، سوز، فقر، اور جمال کا کلام ہے
لیکن (ظاہری ملاں) اسے شرک یا بدعت کہہ کر رد
کر دیتا ہے،حالانکہ اس میں روح کا نور چھپا ہے.

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملّا کے غلام اے ساقی

ترجمہ:
تحقیق اور جستجو کا جنگل اب بہادر مردوں سے
خالی ہو چکا ہے،
اب صرف صوفی اور ملا کے غلام باقی رہ گئے
ہیں،

تشریح:
"شیر مرد" = مجاہد، مردِ حق، فقر کے سالک، جو حق کی تلاش میں نکلتے ہیں
"بیشہ تحقیق" = میدانِ جستجو، معرفت و تلاشِ حق
"صوفی و ملا کے غلام" = وہ لوگ جو صرف رسم پرست ہو گئے، نہ علم رکھتے ہیں نہ سوز
امّت نے مردانِ حق کو کھو دیا ہے، اب صرف ظاہری چولے والے رہ گئے ہیں جنہیں نہ تحقیق کی طلب ہے، نہ حقیقت کا شعور۔
یہ ایک فقیرانہ فریاد ہے کہ:
اے اللہ! دوبارہ انقلابی روحیں پیدا کر

عشق کی تیغِ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

ترجمہ:
وہ تلوار جس میں عشق کی کاٹ تھی، وہ کون لے گیا؟
اب تو علم کے ہاتھ میں صرف خالی نیام (غلاف) رہ گئی ہے،

تشریح:
"تیغ جگر دار" = عشقِ حقیقی، جو سینہ چیر کر باطن جگا دے
"علم" = محض الفاظ کا علم، جس میں اب تاثیر نہیں
"نیام" = صرف ظاہری ڈھانچہ رہ گیا، اصل جذبہ، اصل نور غائب ہے
علمِ نافع جاتا رہا، اور صرف رٹا ہوا علم باقی رہ گیا۔
اب وہی چاہیے جو علم کو عشق سے روشن کر دے۔

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات
ہو نہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

ترجمہ:
اگر دل منور ہو، تو کلام میں ایسا سوز ہوتا ہے جو زندگی بخش دیتا ہے،
لیکن اگر دل تاریک ہو، تو وہی کلام انسان کو مستقل موت دے دیتا ہے۔

تشریح:
"سینہ روشن" = قلبِ سلیم، وہ دل جو نورِ الٰہی
سے جگمگاتا ہو
"سوز سخن" = کلامِ تاثیر، وہ زبان جس میں عشق
کا نور ہو
"مرگ دوام" = ایک ایسی موت جو روح کو سلا
دے، یعنی مردہ ضمیر
اہلِ دل کی باتوں میں حیات ہوتی ہے، کیونکہ وہ
عشق سے بولتے ہیں۔
لیکن اگر دل سیاہ ہو، تو وہی علم، وہی تقریر،
صرف ظلمت، تعصب اور مردنی(مردہ ضمیر)
پھیلاتی ہے۔

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ھے ماہ تمام اے ساقی

ترجمہ:
تو میری رات کو چاند کی روشنی سے محروم نہ
کر،
تیری پیمائش میں پورا مہینہ ہے، اے ساقی

تشریح:
رات = تاریکی، مشکل وقت، دل کی تنہائی
مہتاب = نورِ ہدایت، فیض، رحمتِ الٰہی
پیمانہ = ساقی کا ظرفِ فیض و کرم، جس میں
پورا ماہ یعنی مکمل نور موجود ہے
یہ دعا ہے کہ ساقی (مرشد یا حق تعالیٰ) اپنی
مکمل رحمت اور روشنی سے مجھے سرفراز کرے،
میری روح کو ہر ظلمت سے بچائے، اور ہمیشہ
روشنی میں رکھے۔
یہ ایک نورانی التجا ہے کہ کبھی بھی راہِ حق کی
روشنی سے مجھ کو محروم نہ کیا جائے۔

فنا و بقا کا راز

ایک روز مرشد کریم سخی سلطان سیّد چراغ شاہ بخاریؒ کی بارگاہ میں ایک طالب نے ادب سے عرض کیا:

حضورؒ فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے؟"
سرکارؒ نے نگاہیں جھکا لیں، جیسے کسی باطنی واردات میں مصروف ہو گئے ہوں۔ چند لمحے بعد سر اٹھا کر ارشاد فرمایا
اس راز کو حضرت خواجہ شمس الدینؒ ترک پانی پتی نے بھی اپنے مرشد مخدوم پاک حضرت صابر پیاؒ سے پوچھا تھا۔"
حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے عرض کیا تھا: یا حضرتؒ فنا و بقا کا اصل مفہوم کیا ہے؟
تو حضرت صابر پیاؒ نے تب صرف اتنا فرمایا: کسی وقت ظاہر کر دیا جائے گا۔
وقت گزرتا رہا۔ برسوں بیت گئے۔ سوال ذہن کے پردے سے محو ہو چکا تھا۔ لیکن فیض مرشد اور روحانی وعدے کبھی مٹتے نہیں۔ پھر وہ لمحہ آیا جب حضرت صابر پیاؒ کا وصال ہو چکا تھا اور ان

کی تدفین جاری تھی۔
ایسے میں خواجہ شمس الدین کے دل میں سوال جاگا نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ اگر یہ راز جاننے سے رہ گیا، تو یہ بات پردہ اخفاء میں ہی رہ جائے گی۔" وہ جلدی سے اس طرف متوجہ ہوئے جہاں ایک نورانی چہرے والے سوار نماز جنازہ پڑھا کر مغرب کی جانب روانہ ہو رہے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب دوڑے، اور کچھ دور جا کر اس سوار کے گھوڑے کی باگ تھام لی۔ ادب سے عرض کیا:
حضور! اپنا نام و نشان تو عطا فرمائیں تاکہ یہ راز نہ چھپ جائے۔ تب سوار نے چہرے سے نقاب ہٹایا۔ نور سے جگمگاتا چہرہ آنکھوں میں معرفت کا سمندر۔
فرمایا
فقیر کی نماز جنازہ فقیر نے خود ہی پڑھائی ہے۔"
چہرہ دیکھ کر خواجہ شمس الدینؒ دم بخود رہ گئے۔ سوارؒ نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرمایا اے شمس الدینؒ حیرت کی کوئی بات نہیں وہ جسم جو لحد میں اترا وہ فنا ہے، اور یہ جو تمہارے سامنے ہے، یہ بقا ہے۔
اور دیکھ لو وعدہ پورا ہوا۔ جو راز تم نے پوچھا تھا، آج تمہیں خود اپنی آنکھوں سے دکھا دیا۔"

یہ کہتے ہی سوار وہاں سے روانہ ہو گئے اور
خواجہ شمس الدینؒ ترک پانی پتی بے ہوش ہو کر
زمین پر گر پڑے۔
یہ ہے فنا و بقا کا وہ راز جو علم سے نہیں، مشاہدہ
سے حاصل ہوتا ہے۔
یہ ہے ولی اللہ کی وہ شان کہ جسے حق فنا نہیں
کرتا بلکہ بقا کے ساتھ زندہ رکھتا ہے۔
اولیاء اللہ نہ مرتے ہیں، نہ ان کی روح فنا ہوتی ہے،
وہ اللہ کے حضور زندہ ہوتے ہیں اور اپنے مریدوں
کی آنکھوں کے سامنے نشانِ بقا بن کر جلوہ گر
رہتے ہیں۔"

نہ تھا فنا میں زوال۔ اُس وجود نورانی کا
جنازہ بھی خود پڑھا، راز بقا بھی سمجھا دیا

نقشِ خاکی

اک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی
ہے دانشِ برہانی، حیرت کی فراوانی

ترجمہ:
ایک عقل نوری (الہامی، ربانی) ہے اور ایک عقلی (منطقی، دلیل پر مبنی)۔
برہانی (منطقی) عقل تو حیرتوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

تشریح:
دانشِ نورانی:
جو اللہ کے نور سے ملتی ہے، یعنی باطنی عرفان، فیضِ مرشد، یا الہام۔
دانشِ برہانی:
جو عقل و منطق پر مبنی ہے، یعنی فلسفہ، سائنس یا ظاہری علم۔
صوفیاء فرماتے ہیں کہ عقلِ ظاہری انسان کو کائنات کی پیچیدگیوں میں الجھا دیتی ہے، مگر عقلِ نوری انسان کو حقیقتِ مطلق (اللہ) کی

طرف لے جاتی ہے۔

اس پیکرِ خاکی میں اک شے ہے، سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی

ترجمہ:
اس مٹی کے جسم میں ایک چیز ہے جو تیری (اللہ کی) ہے،
اور میرے لیے اُس چیز کی حفاظت کرنا بہت مشکل ہے۔

تشریح:
یہاں وہ "اک شے" دراصل روح ہے، جو اللہ کا امر ہے:
"وَيَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنۡ أَمۡرِ رَبِّى"
(سورہ اسراء: 85)
صوفی یہ کہتا ہے کہ یہ روح جو مجھ میں ودیعت کی گئی ہے، ایک الٰہی امانت ہے، مگر نفسانی خواہشات، دنیاوی تعلقات اور شیطانی وساوس سے اس کی حفاظت بہت مشکل ہے۔

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تونے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی

ترجمہ:
اب جب میری فریاد آسمانوں تک جا پہنچی ہے،
تو یاد آتا ہے کہ یہ غزل گوئی (فریاد) تو تُو نے ہی
مجھے سکھائی تھی۔

تشریح:
میری روحانی فریادیں، میرا درد، میری آہ و زاری
سب تیری عطا کردہ ہیں۔
یہ عشق، یہ اشعار، یہ غزلیں — دراصل وہی سوزِ
دروں ہے جو مرشد یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ودیعت ہوا۔ یہ شعر عشقِ الٰہی کی اس کیفیت کو
ظاہر کرتا ہے جہاں عاشق اپنے جذبات اور آنسوؤں
کو بھی خالق کی عطا سمجھتا ہے۔

ہو نقش اگر باطل، تکرار سے کیا حاصل
کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی؟

ترجمہ:
اگر کوئی عمل، عبادت یا رسم باطن سے خالی ہو،

محض ظاہری شکل رکھتا ہو،
تو اسے بار بار دہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
اے ربِّ کریم! کیا تجھے اپنے اشرف المخلوقات
انسان کی یہ خودساختہ پستی پسند ہے؟

تشریح:
صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ:
"شریعت کی ظاہری صورت اگر باطن کے نور سے
خالی ہو تو وہ محض رسم ہے، جس سے روح کو
زندگی نہیں ملتی۔"
یہاں "نقش باطل" سے مراد ہے:
وہ عبادت یا عمل جو ریاکاری، عادت یا صرف
رسم و رواج کے طور پر ہو۔
اور "تکرار" سے مراد وہ عمل جو دل کے بغیر بار
بار کیا جائے۔ عبادت کا اصل جوہر "حضورِ قلب"
اور "معرفت" ہے، ورنہ وہ فقط ایک رسم ہے۔

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملاں ہیں کیوں ننگِ مسلمانی؟

ترجمہ
مغرب (یورپ/افرنگ) نے تو مجھے اپنی تہذیب

سے الحاد (دین بیزاری) سکھا دیا،
مگر افسوس کہ ہمارے زمانے کے مذہبی پیشوا (ملا) خود اسلام کے لیے باعثِ شرمندگی بن گئے ہیں۔

تشریح:
صوفیاء ہمیشہ ظاہر پرستی اور بےعمل علماء سے خبردار کرتے آئے ہیں۔
یہاں "افرنگ" اس تہذیب کی علامت ہے جو دین سے دور مگر دنیا میں کامیاب دکھائی دیتی ہے۔
اور "ملاں" اس طبقے کی علامت ہے جو دین کا دعویدار ہے مگر روح سے خالی ہو چکا ہے۔
"علم اگر دل کو نہ جگائے، تو وہ صرف بوجھ ہے۔
اور دین اگر اخلاق و کردار سے خالی ہو، تو وہ دین نہیں، فتنہ ہے۔"

تقدیر شکن وقت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

ترجمہ:
ابھی بھی وقت باقی ہے جو انسان کو اس کی تقدیر بدلنے کا موقع دے سکتا ہے،

لیکن نادان لوگ خود کو قسمت کا قیدی سمجھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

تشریح:
صوفی نظریہ یہ نہیں کہ انسان مجبور ہے، بلکہ یہ ہے کہ:
"اللہ نے انسان کو ارادہ، دعا، مجاہدہ اور عشق کی طاقت دی ہے۔"
"تقدیر شکن وقت" سے مراد وہ لمحہ ہے جب انسان اخلاص، دعا، اور سچی توبہ سے اپنی زندگی بدل سکتا ہے۔
"تقدیر کا زندانی" وہ ہے جو کاہلی، جہالت اور ظاہری عقیدے کے پردے میں چھپ کر سستی اختیار کرتا ہے۔
"اللہ چاہے تو انسان کی تقدیر بدل دیتا ہے، مگر پہلے انسان کو خود بدلنا ہوتا ہے۔

تیرے بھی صنم خانے، میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی، دونوں کے صنم فانی

ترجمہ:
تیرے بھی معبود (صنم) مٹی کے بنے ہوئے ہیں،

میرے بھی معبود مٹی سے بنے ہیں۔
یعنی ہم دونوں نے فانی و عارضی چیزوں کو اپنا
معبود بنایا ہوا ہے، جو خود فنا ہونے والے ہیں۔

تشریح:
صوفیاء کرام کے نزدیک "صنم" ہر وہ شے ہے جو
دل کو اللہ سے ہٹا کر کسی اور طرف مائل کرے۔
"صنم خانے" ظاہری بت کدوں کی علامت بھی
ہو سکتے ہیں، اور دل کے اندر بسے باطنی بتوں
(خواہشات، حرص، تکبر، شہرت، مال، انا) کی
طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔
(عارف) کہتا ہے: ہم ایک دوسرے کو مشرک کہتے
ہیں، لیکن حقیقت میں ہمارے معبود ایک جیسے
فانی اور مٹی کے ہیں — فرق صرف شکلوں کا ہے۔
"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" صرف زبان سے نہیں، دل سے ماننا
ہے۔ جب تک دل سے غیر اللہ نہ نکلے، تب تک
توحید مکمل نہیں۔ خواہ وہ بت پرست مشرک ہو
یا نفس پرست مسلمان، جب تک انسان غیر اللہ کو
دل میں بساتا رہے گا، وہ توحید سے محروم رہے
گا۔ اس شعر میں تصوف کی روح پوشیدہ ہے کہ
ہر انسان کو اپنے اندر چھپے "صنم" کو پہچاننا اور
توڑنا ہوگا۔

حضرت لقمان علیہ السّلام اور — صبر و شکر کی حقیقت

حضرت لقمان علیہ السلام ایک بزرگ، دانا اور اللّٰہ کے مقرب بندے تھے۔ آپ کسی رئیس (امیر) کے یہاں نوکری کرتے تھے، لیکن آپ کے باطنی کمالات، اعلیٰ اخلاق اور اللّٰہ تعالیٰ کی محبت و معرفت نے رئیس کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ آپ کا محب بن گیا۔ وہ رئیس جسے دنیاوی لحاظ سے عظمت حاصل تھی، حضرت لقمان علیہ السّلام کی روحانی عظمت کے سامنے جھک گیا۔
یہ محبت اتنی بڑھی کہ رئیس ہر نعمت کھانے سے پہلے حضرت لقمان علیہ السّلام کو پیش کرتا، اور جب وہ کھا لیتے، تب خود کھاتا۔ حضرت لقمان علیہ السّلام بھی ہمیشہ رئیس کی محبت کا لحاظ رکھتے، اور جو کچھ بچ جاتا، وہ رئیس کے لیے بھیج دیتے۔
ایک دن رئیس کے پاس کہیں سے خربوزہ آیا۔ حضرت لقمان علیہ السّلام موجود نہ تھے، تو رئیس نے انہیں بلوا بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے، تو رئیس نے اپنے ہاتھوں سے خربوزہ کاٹا

اور محبت سے ایک ایک قاش انہیں کھلانے لگا۔
حضرت لقمان علیہ السّلام ہر قاش کو شکر کے ساتھ کھاتے گئے، حتیٰ کہ 70 قاشیں کھا چکے۔
اب ایک آخری قاش رہ گئی۔ رئیس نے دل میں سوچا، "دیکھوں تو یہ خربوزہ کیسا میٹھا ہے؟
اور خود وہ قاش منہ میں رکھ لی۔
لیکن وہ قاش اتنی تلخ تھی کہ اس کی زبان سے حلق تک آبلے پڑ گئے، اور ایک گھنٹہ تک بے ہوش رہا۔ جب افاقہ ہوا تو حیرت سے حضرت لقمان علیہ السّلام سے پوچھا:
"اے جانِ جاں آپ نے اتنی تلخی کو کیسے برداشت کیا؟ میں تو ایک قاش سے بے ہوش ہو گیا، اور آپ نے 70 قاشیں خوشی سے کھا لیں؟
حضرت لقمان علیہ السّلام نے وہ جواب دیا جو صبر و شکر کی معراج ہے:
"اے خواجہ! آپ کے ہاتھ سے میں نے ہزاروں نعمتیں کھائی ہیں، اور ان نعمتوں کے شکر سے میری کمر جھکی جا رہی ہے۔ مجھے شرم آئی کہ جس ہاتھ سے اتنی لذتیں ملی ہوں، اگر ایک بار تلخی بھی آئے، تو اس پر اعتراض کروں؟
"آپ کے دستِ نعمت کی لذت نے خربوزے کی تلخی کو مٹھاس میں بدل دیا۔"

پھر فرمایا:
"لذتِ دستِ شَکر بخش تو داشت
اندریں بَطخ تلخی کجا گذاشت"
یعنی: جس ہاتھ سے شَکر بخشنے والی لذتیں
ملتی رہیں، اس کی عطا کی ہوئی ایک تلخی بھی
لذیذ معلوم ہوتی ہے۔
یہ واقعہ حضرت سخی سلطان سیّد چراغ شاہ
بخاری قدّس سِرّہ العزیز اپنی مجالس میں اکثر
ارشاد فرمایا کرتے، اور خاص طور پر مذکورہ شعر
کو لذت و محبت سے بار بار دہراتے۔ اس واقعے
سے سخی سلطان چراغ رحمۃ اللہ اپنے مریدین کو
یہ سبق دیا کرتے:
بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا
کرنا چاہیے۔
اور اگر کبھی کوئی مصیبت یا تلخی آ جائے تو
صبر اور رضا اختیار کرنی چاہیے۔
وہ بندہ جو اللہ کی بے شمار نعمتوں کو یاد رکھتا
ہے، وہ کبھی بھی آزمائش پر بے صبر یا ناشکرا
نہیں ہوتا۔ مصیبتیں بھی رحمت ہیں
دنیا میں آنے والی تکلیفیں اللہ کے قرب کا ذریعہ
ہوتی ہیں۔
حدیث شریف میں فرمایا گیا:

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ان دلوں کے پاس ہوتا ہوں جو ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔"
(انا عند المنکسرۃ قلوبھم)
مومن کا ہر حال میں رب کی رضا پر راضی رہنا اصل عبادت ہے۔
مصیبت میں بھی اجر ہے، کانٹا چبھے، بخار آئے، یا کوئی آزمائش ہو، مومن کو اس پر ثواب عطا ہوتا ہے۔
مرشدِ کریم، سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ اکثر اپنی مجالس میں محبت سے، اور کہیں کہیں سختی سے یہ نصیحت فرمایا کرتے: "بچے تو جانور بھی پیدا کرتے ہیں... کھاتے اور پیتے ہیں... کام بھی کرتے ہیں...
تو اے انسان اگر تُو بھی یہی کرے، تو سوچ، پھر تجھ میں اور جانور میں فرق کیا رہ جاتا ہے؟
یہ کلمات سننے والوں کے دل میں ایک زلزلہ برپا کر دیتے۔ مرشدِ پاکؒ صرف بات نہیں کرتے تھے، باطن کو جگا دیتے تھے۔
یہ فرمان ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ:
صرف کھانا، پینا، بچے پیدا کرنا اور دنیا کمانا زندگی کا مقصد نہیں۔

یہ کام تو جانور بھی کرتے ہیں،
انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے، اس لیے
اس کی زندگی کا اصل مقصد اللہ کی معرفت،
خدمتِ خلق، اور روحانی ارتقا ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں:
"أُوْلَـٰٓئِكَ كَٱلْأَنْعَـٰمِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْغَـٰفِلُونَ"
(سورة الأعراف: 179)
"یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی
گئے گزرے۔یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہیں۔"

یعنی وہ انسان جو صرف دنیاوی خواہشات میں
گم ہو جائیں، اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں، ان
کا شمار جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔
سخی سلطان چراغ شاہ بخاریؒ کا یہ قول اصل
میں عارفوں کا آئینہ ہے، جو ہمیں یہ یاد دلاتا ہے:
اگر تو انسان ہے، تو انسانیت کا حق ادا کر،
رب کو پہچان، اپنی روح کو جگا،
نفس کی غلامی سے نکل، اور معرفتِ الٰہی میں
داخل ہو جا۔
مرشدِ کریم سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاری
رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

"جو دم غافل، سو دم کافر!"
یعنی:
"وہ سانس جو ذکرِ الٰہی سے خالی ہو، وہ کفر کے برابر ہے!"
"مرشدِ کامل، طالبِ حق کے سانسوں کو بھی ذکر سے معمور کر دیتا ہے۔
وہ دل میں اللہ کا ایسا چراغ جلا دیتا ہے، جو ہر سانس کے ساتھ
'اللہ، اللہ' کی صدا دیتا ہے۔"
یہ ارشادِ گرامی ذکر کی اہمیت کو ایک نئی جہت دیتا ہے:
ذکر صرف زبان سے "اللہ" کہنا نہیں، بلکہ ہر سانس، ہر لمحہ، ہر کیفیت میں اللہ کو یاد رکھنا ہے۔
قرآن میں فرمایا گیا:
"فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ"
(البقرہ: 152)
"تم میرا ذکر کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔"
حدیثِ قدسی میں آیا:
"میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے یاد کرتا ہے
اپنے دل میں، تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد

کرتا ہوں۔"
"جس دل میں اللہ کا ذکر بس جائے،
وہ دل خود عرشِ الٰہی کا آئینہ بن جاتا ہے۔"
ذکر کو سانسوں میں بساؤ: تبھی تم "ذکر کرنے والے زندہ، اور غافل مردہ" کی حقیقت کو سمجھ پاؤ گے۔
سخی مرشد کریمؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ حالت حزن میں حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد اور تیزی سے طے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پریشانی اور غم سے قلب میں ایک شکستگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی خصوصی معیّت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں - اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰابِرِینَ - (اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔)
دنیا کی چند روزہ زندگی کے ایام خواہ عیش کے ہوں یا تکلیف کے سب کو فنا ہے بس نہ تو عیش سے اترانے لگے نہ تکلیف سے شکایت و اعتراض کرنے لگے۔ راحت پر شکر اور تکلیف پر صبر و رضا اور تسلیم سے کام لینا چاہیئے مقصد حیات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو سب مشکلوں کا حل نکل آئے اور مقصد حیات صرف رضائے حق کا حصول ہے اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کا طریقہ

ان کے بتائے ہوئے قانون پر اہتمام سے عمل کرنا اور کوتاہیوں پر توبہ و استغفار کرتے رہنا ہے اگر اتباع سنت نصیب ہے تو عیش ہو یا تکلیف دونوں حال اُس بندے کے لئے مبارک مفید اور ذریعہ قرب و رضا ہیں۔ اگر اتباع سنت حاصل نہیں تو عیش کس کام کا ؟

گنہ گار اور نا فرمان پر بھی تکالیف اور بلائیں آتی ہیں اور نیکو کار اور فرماں بردار پر بھی آتی ہیں۔ پھر دونوں میں فرق کیسے ہو کہ یہ بلا و تکلیف شامت اعمال ہے یا ذریعہ قربِ الٰہی ہے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ جس مصیبت و کلفت میں اتباع سنت نصیب رہے۔ اور قلب میں حق تعالٰی شانہ کے ساتھ محبت و انس ورضا کا تعلق و رابطہ محسوس ہو تو سمجھنا چاہیے کہ تکلیف ذریعہ قربِ الٰہی ہے اور جس تکلیف سے دل میں ظلمت و وحشت اور حق تعالٰی سے دوری محسوس ہو اور توفیق انابت و گریہ وزاری نہ عطا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ شامت اعمال بد کے سبب ہے۔ اس وقت استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے ۔ سورہ نوح میں استغفار کی برکت مذکور ہے کہ استغفار سے حق تعالٰی بارش عطا فرماتے ہیں باغات عطا فرماتے ہیں اولاد میں برکت ہوتی

ہے -
جب حق تعالٰی ہمارے ساتھ مہربانی فرمانا چاہتے ہیں تو ہمارے اندر گریہ و زاری کا میلان پیدا فرما دیتے ہیں۔

جب تک بچہ روتا نہیں ماں کے سینہ میں دودھ کب جوش مارتا ہے اور جب تک ابر برستا نہیں اس وقت تک چمن کب سر سبز و شاداب ہوتا ہے کہ بادل کے رونے سے چمن سرسبز و شاداب ہوتا ہے

جس جگہ آنسو رواں ہوتے ہیں اسی جگہ رحمت ہوتی ہے۔

سیّدنا بلالِ حبشیؓ: نعرۂ احد اور استقامتِ عشق

چمن کا رنگ گو تُو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گُل چھوڑی، نہ ہم نے آشیاں بدلا
اسلام کی صبحِ اوّل میں ایک روشن ستارہ افقِ عشق سے طلوع ہوا — حضرت بلال حبشی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ۔ حبشہ کے رہنے والے، ایک یہودی سردار اُمیہ بن خلف کے غلام، لیکن فضلِ خداوندی نے انہیں غلامی سے نکال کر ایمان کی بادشاہی عطا کی۔
جب حق کا نور اُن کے دل میں جاگزیں ہوا تو وقت کے طاغوت اُنہیں بجھانے پر تل گئے۔ کفار کی ایذا رسانی، تپتی ریت، کوڑے، زخم — یہ سب اُس چراغِ عشق کو بجھا نہ سکے، جو "اَحَدٌ اَحَدٌ" کی صدا بن کر گونج رہا تھا۔

دعوٰی مرغابی کردہ است جاں
کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں؟
جس نے خود کو عاشقِ حق کہا، اسے پھر طوفانِ بلا سے کیسا گلہ؟ بلالؓ کی جان، عاشقِ صادق کی مانند، جب خنجرِ عشق کو محبوب کے ہاتھ میں

دیکھتی ہے تو مقتل کی طرف دوڑ پڑتی ہے۔

جانِ اُو چُو خنجر عشقش بدید
پابجولاں جانب مقتل دوید
نہ ان کی زبان پر شکوہ، نہ دل میں خوف۔ تپتی ریت پر ننگے جسم گھسیٹا گیا، کوڑے برسائے گئے، زخموں سے خون بہا، مگر لبوں پر تھا صرف "اَحَدٌ اَحَدٌ"۔
بجرمِ عشقِ تو ہم می‌کشند و غوغا نیست
تو نیز بر سرِ بام کہ خوش تماشا نیست؟
ترجمہ
آپ(اللہ) کے عشق کے جرم میں کفار مجھے قتل کر رہے ہیں اور شور برپا کر رہے ہیں
آپ (اللہ) بھی آسمان دنیا پر تشریف لائیے اور اپنے عاشق کا تماشہ دیکھیے کہ کیا خوب تماشہ ھے
ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، دیکھا کہ بلالؓ خون میں لت پت، لبوں پر کلمۂ توحید لیے کھڑے ہیں۔ دل کانپ گیا، آنکھوں سے آنسو بہے۔ فرمایا:
"اے بلالؓ دل میں اللہ کا ذکر کرو، اس ظالم کے سامنے زبان سے ظاہر نہ کرو، کہیں تمہیں جان سے

نہ مار ڈالے۔"
بلالؓ نے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا:
"اے صدیقِ اکبرؓ آپ کی نصیحت سر آنکھوں پر۔"
مگر عشق نے جب دل میں انگڑائی لی، تو نصیحت پر صبر نہ ہو سکا۔ دوسرے دن پھر "احد احد" کی صدا گونجی، اور پھر کوڑے برسنے لگے۔

عشق آمد لا أبالی فاتّقوا
تاب زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما
عشق نہ زنجیر سے ڈرتا ہے، نہ دار سے۔ صدیق اکبرؓ پھر گزرے، منظر وہی، آواز وہی۔ دوبارہ بلالؓ کو نرمی سے سمجھایا۔ بلالؓ نے عرض کیا:
"اب وعدہ کرتا ہوں، خاموش رہوں گا۔"
مگر:
باز پندش داد، باز أو توبہ کرد
عشق آمد، توبۂ أو را بخورد
پھر عشق آیا اور توبہ کو نگل گیا۔ اب بلالؓ کے جسم پر کوڑے تھے، مگر روح آستانۂ یار پر جھوم رہی تھی۔

تن بہ پیشِ زخمِ خارِ آن جھود
جانِ او مست و خراب آن و دود

بلالؓ کا وجود زخمی تھا، مگر باطن سیراب۔ وہ تماشہ جو اہلِ دنیا کو تکلیف لگتا، اللہ تعالیٰ کے لیے سراپا مقبولیت تھا۔
بلالؓ کی استقامت، عشقِ توحید، اور نعرۂ "آحد" رہتی دنیا تک عاشقانِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدستِ دگری دادن و حیراں بودن
عاشقی یعنی بندۂ جاناں ہونا یعنی وہ حالت جس میں انسان اپنا دل، اپنی جان، اپنی تمام ہستی خدا یا محبوب کے سپرد کر دے۔ یہ محبت صرف لفظوں کی حد تک نہیں، بلکہ دل کا مکمل غلبہ، سرشار ہونا اور اپنی مرضی چھوڑ کر محبوب کی رضا میں فنا ہو جانا ہے۔
دل بدستِ دگری دادن کا مطلب ہے:
اپنا دل دوسرے کے حوالے کر دینا – یعنی اپنی خودی، اپنی خود پسندی، اپنی انا کو ترک کر کے محبوب کے ہاتھ میں دل رکھ دینا۔
یہ دل اب اس کا نہیں رہا، وہ محبوب کا ہو گیا، جو چاہے اس کے ساتھ کرے، بندہ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

حیراں ہونا یعنی حیرت زدہ ہونا، اس محبوب کی ذات، اس کے جمال، اس کی محبت کی گہرائی اور راز میں اتنا غرق ہونا کہ عقل و فہم بھی اس کی حدود میں قاصر ہو جائے۔ یہ حیرت، سجدے اور عاجزی کی کیفیت ہے، جو عاشق کو اپنے محبوب کے حضور عاجز کر دیتی ہے۔
عاشقی کی کمال کیفیت یہ ہے کہ:
عاشق اپنی ہر خواہش، ہر فکر، ہر تصور کو محبوب کی مرضی میں گم کر دیتا ہے۔
وہ خود کو مکمل طور پر محبوب کی محبت میں ڈبو دیتا ہے، چاہے اس کے لیے کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔
عاشق کی زندگی کا محور صرف اور صرف محبوب کی رضا اور حضور ہوتا ہے۔
وہ اپنی ذاتی انا، غرور اور خواہشات کو ترک کر کے ایک نئی زندگی، ایک نیا وجود حاصل کر لیتا ہے جو محبوب کی محبت سے جُڑا ہوتا ہے۔
عاشق کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ دل و جان سے حیران و سرگرداں، مگن اور غرقِ محبت ہوتا ہے۔
حضرت بلالؓ کی زندگی کا ہر لمحہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ:

ایمان صرف زبانی دعویٰ نہیں، بلکہ قربانی، صبر، اور عشقِ الٰہی کی آزمائش ہے۔
جن کے دل میں اللہ کا سچا عشق جاگزیں ہو جائے، انہیں دنیا کی کوئی طاقت خوفزدہ نہیں کر سکتی۔
سیّدنا بلالؓ نے ہمیں سکھایا کہ جب دل اللہ کی یاد سے آباد ہو جائے، تو زبان خود بخود "اَحَدٌ اَحَدٌ" کی صدا بلند کرنے لگتی ہے۔
عشقِ حقیقی کا راستہ کانٹوں بھرا ہے، لیکن جو اس پر استقامت سے چلتا ہے، وہی اللہ کے مقربین میں شمار ہوتا ہے۔
کامل ایمان وہی ہے، جو بلالؓ کے عشق جیسا ہو کہ جسم پر کوڑے پڑیں، مگر دل یار کے دیدار کی لذت میں ڈوبا رہے۔

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش
بہرِ خوشنودیِ شاہِ فردِ خویش
ترجمہ:
میں اپنے محبوبِ حقیقی کی رضا کے لیے اپنے رنج و درد پر عاشق ہوں۔
حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اُن خوش نصیب ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں

نے عشقِ الٰہی اور محبتِ مصطفٰی ﷺ میں وہ مصائب جھیلے جنہیں سن کر دل لرز جاتا ہے، مگر لبوں پر ہمیشہ "اَحدٌ اَحدٌ" کی صدا رہی۔
جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا دیکھا کہ ایک یہودی، حضرت بلالؓ پر ظلم ڈھا رہا ہے اور وہ برابر "احد، احد" کی صدا لگا رہے ہیں تو یہ ماجرا رحمۃٌ للعالمین ﷺ کے حضور پیش کیا۔
سرکارِ دو عالم ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور فرمایا:
"اے صدیق! پھر کیا تدبیر ہے کہ بلال کو اس بلاء سے نجات ملے؟"
حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا:
"یا رسول اللہ ﷺ میں انھیں خرید لیتا ہوں۔"
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
تو بلالؓ کی خریداری میں میری بھی شرکت ہوگی۔ اللہ اکبر کیا مقام تھا حضرت بلالؓ کا کہ خریدار خود رسولِ کونین ﷺ ہیں
حضرت صدیق اکبرؓ اُس یہودی کے پاس گئے، جو اس وقت بھی حضرت بلالؓ پر ظلم کر رہا تھا۔
فرمایا: اس ولی اللہ کو کیوں مارتا ہے؟

یہودی نے کہا: اگر ہمدردی ہے تو قیمت دے کر لے جاؤ۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا:
"سفید جسم اور کالے دل والا میرا غلام لے لے، اور مجھے یہ کالا جسم اور روشن دل والا بلالؓ دے دے۔ حضرت بلالؓ کو خرید کر جب وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو عرض کیا:
یا رسول اللہ ﷺ میں کیسا سودا کر کے آیا ہوں؟ سفید جسم اور کالا دل دے آیا ہوں، اور کالا جسم اور نورانی دل لے آیا ہوں۔"
حضور نبی کریم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا:
اے صدیقؓ بہت اچھا سودا کیا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سینہ مبارک سے لگا لیا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:
حضرت بلالؓ کو مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ جانِ بلالؓ نے جو لطف اُس لمحہ محسوس کیا، اس کا اندازہ کوئی اور نہیں لگا سکتا۔

حکایت: مجنوں اور اس کی ناقہ (اونٹنی)

ایک بار مجنوں، لیلیٰ کی محبت میں سرشار، اس
کی طرف اونٹنی پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔
مگر جیسے ہی عشقِ لیلیٰ میں بے خودی طاری
ہوتی، اس کے ہاتھ سے مہار چھوٹ جاتی،
اور اونٹنی کا رخ اپنے گھر کی طرف ہو جاتا
کیونکہ اس کا بچہ وہیں تھا،
اور اس کی فطری محبت اُسے اپنی جانب کھینچ
لیتی تھی۔ جب مجنوں کو ہوش آتا،
تو وہ سخت حیران ہوتا کہ جہاں سے چلا تھا،
پھر وہیں واپس کیسے آ گیا؟
وہ دوبارہ اونٹنی کو لیلیٰ کی سمت موڑتا،
مگر کچھ ہی فاصلے کے بعد پھر عشق کی مستی
چھا جاتی، اور اونٹنی دوبارہ پیچھے لوٹ جاتی۔
یہی کیفیت بار بار ہوتی رہی۔ آخرکار مجنوں کو
غصہ آ گیا، اس نے کہا: "میری لیلیٰ تو آگے ہے،
اور یہ اونٹنی اپنی لیلیٰ یعنی بچے کی طرف
جا رہی ہے۔ ایسا سفرِ عشق کبھی مکمل نہیں ہو
سکتا۔" چنانچہ وہ اونٹنی سے چھلانگ لگا کر
نیچے اتر پڑا، اور اس کا ایک پاؤں بھی ٹوٹ گیا،

مگر وہ راضی تھا
کیونکہ اس نے اپنے راستے کی رکاوٹ کو پہچان لیا تھا۔

جمال ز ہجر عرش اندر فاقہ
تن ز عشقِ خاربن چو ناقہ

"جان، عرش والے محبوب کی جدائی میں فاقہ زدہ ہے،
اور جسم، دنیوی کانٹوں کے پیچھے اونٹنی کی طرح بھاگتا ہے۔"

پانی را بر بست گفتا کو شوم
در خم چوگانش غلطاں می روم

"مجنوں نے اپنے پاؤں باندھ لیے اور کہا:
اب میں گیند بن گیا ہوں،
اور لیلیٰ کی محبت کا چوگان مجھے گھما کر لے چلے۔"

(نوٹ: چوگان لکڑی کی ہاکی نما چیز ہے جس سے گیند کو مارا جاتا ہے۔)

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود؟
کُون گشتن بر اُو اولیٰ بود!

"کیا مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کم تر ہے؟
اس کے لیے تو مٹی بن جانا زیادہ بہتر ہے!"
مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
اگر مجنوں ایک فانی عشق کے لیے اپنے آپ کو گیند بنا سکتا ہے، تو ہم عشقِ ربّانی کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتے؟
ہماری روح تو اللہ کی طرف چلنا چاہتی ہے،
مگر نفس دنیوی رغبتوں کی طرف کھینچتا ہے۔
یہی وہ اندرونی جنگ ہے جس سے ہر سالکِ راہِ حق کو گزرنا ہوتا ہے۔
قرآن مجید اس کشمکش کو یوں بیان کرتا ہے:
"فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا"
(سورۃ الشمس، آیات 8-10)
"پھر اسے (نفس کو) نیکی اور بدی کا الہام دیا،
یقیناً وہ کامیاب ہوا جس نے اسے پاک کیا،
اور وہ ناکام ہوا جس نے اسے دبایا۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ"
(سورۃ الحدید، آیت 20)
"دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔"

اور ہمیں کامیابی کی راہ یہ بتائی گئی:

"مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَأُولَـٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا"
(سورۃ الإسراء، آیت 19)
"جو آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے کوشش کرے، اور وہ مؤمن ہو تو ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔"

دنیا کو ترک کرنا مطلوب نہیں،
بلکہ دنیا پر آخرت کو غالب کرنا مطلوب ہے۔
اونٹنی جیسے نفس کو قابو میں کرنا،
اور عشقِ مولیٰ کی سمت سفر کو مرشد کامل کی رہنمائی سے جاری رکھنا، یہی اصل کامیابی ہے۔

حکایت: ہمارا "اللّٰہ" کہنا ہی لبیکِ خدا ہے

آں کہ اللّٰہ کی گفتے شبے
تا کہ شیریں گرد و از ذکرش لبے

ایک شب ایک صوفی درویش نہایت اخلاص اور محبت سے بار بار "اللّٰہ، اللّٰہ" پکار رہا تھا، یہاں تک کہ کثرتِ ذکر سے اس کے لب شیریں ہو گئے۔ اُس کا دل اللّٰہ کے شوق میں سرشار تھا۔
اتنے میں شیطان آیا اور وسوسہ ڈالا:
"اے درویش! تو کب تک بے فائدہ اللّٰہ اللّٰہ کرتا رہے گا؟ نہ کوئی جواب آتا ہے، نہ کوئی لبیک۔ کیا یہ یک طرفہ محبت تیرے کسی کام آئے گی؟"
صوفی اس بات سے دل گرفتہ ہو گیا۔ افسردگی اور مایوسی کے عالم میں ذکر چھوڑ دیا اور سو گیا۔
خواب میں حضرت خضر علیہ السّلام تشریف لائے اور پوچھا:
"اے بندۂ خدا! ذکر سے کیوں غفلت برتی؟"
صوفی نے آہ بھر کر کہا:
"ذکر کرتا رہا مگر ربّ کی طرف سے کوئی لبیک

نہ آئی۔ دل میں خیال آیا کہ شاید میرا ذکر قبول نہیں۔"
حضرت خضر علیہ السّلام نے فرمایا:
"اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ تجھے یہ خوشخبری دوں کہ..."
گفت آں اللہ تو لبیک است
واں نیاز و سوز و دردت پیک است

"تیرا 'اللہ' کہنا ہی دراصل ربّ کی طرف سے لبیک ہے۔ تیرے دل کا سوز، تیری آنکھوں کا نم، اور تیری تڑپ میری ہی طرف سے ہے۔"

جیلھا و چارہ جوی تیہائے تو
جذب ما بود و کشاد ایں پائے تو
"تیری طلب، تیرا سوز، اور تیرا عمل دراصل میری محبت کی کشش ہے۔"
جیسے کسی عاشق نے کہا:
میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں، اُٹھائے جاتے ہیں
قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:
"فَإِنِّي قَرِيبٌ، أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ"
"بیشک میں قریب ہوں، پکارنے والے کی دعا کو

سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔"
(سورہ البقرہ 2:186)
اور فرمایا:
"وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً"
"اپنے رب کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کرو۔"
(سورہ الاعراف 7:205)
یہ ذکرِ الٰہی اور "یا اللّٰہ" کی صدائیں دراصل محبوبِ حقیقی کی طرف سے عطا کردہ توفیق ہیں۔ جب بندہ "یا اللّٰہ" کہتا ہے، تو اسی لمحے ربّ کی طرف سے "لبیک" کی لَے اس کے دل میں اترتی ہے۔

ترس و عشق تو کمند لطف است
زیر بر 'یارب' تو لبیک است
"تیرا خوف اور عشق میری مہربانی اور محبت کی رسی ہے، اور تیرے 'یا رب' کہنے میں میری لبیک چھپی ہے۔"
جن دلوں کو یہ توفیق نصیب نہ ہو، وہ ذکر اور دعا سے محروم رہتے ہیں:
جان جاہل ز ذکر عاجز دو نیست
زانکہ یا رب گفتنش دستور نیست
"جاہل کی جان اس ذکر سے محروم ہے کیونکہ

اسے 'یا رب' کہنے کی اجازت ہی نہیں ملتی۔"

اس حکایت میں ذاکرین کے لیے ایک عظیم خوشخبری ہے۔
جب بھی آپ "اللہ" کہتے ہیں، تو جان لیں کہ وہی اللہ" کہنا ربّ کی جانب سے عطا شدہ قبولیت کی علامت ہے۔
ہر بار "اللہ" کی تکرار، دراصل "لبیک یا عبدی" کی بازگشت ہے۔
پس ذکر کرتے وقت یہ یقین رکھیں کہ اللہ سن رہا ہے، اور جواب دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ مسلسل اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ذکر کے سوز و گداز کو ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رکھے۔
آمین یا ربّ العالمین۔

"جنہیں تم آدمی سمجھتے ہو،
وہ آدمی نہیں، صرف آدمیت کی ظاہری شکل میں
چھپے ہوئے ہیں۔"

آدمی را آدمیت لازم است
عود اگر بو نباشد، ہیزم است

"آدمی کے لیے آدمیت ضروری ہے،
اگر خوشبودار لکڑی (عود) میں خوشبو نہ ہو،
تو وہ محض ایندھن کی لکڑی ہے۔"

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

"آدمیت گوشت، چربی اور کھال کا نام نہیں
آدمیت صرف رضائے الٰہی کا نام ہے۔"

اگر انسانیت صرف جسم کی ساخت کا نام ہوتی،
تو:
گر بصورت آدمی انساں بدے
احمدؐ و بوجہل ہم یکساں شدے

"اگر آدمی ہونا صرف صورت کا نام ہوتا،
تو محمد ﷺ اور ابو جہل میں کوئی فرق نہ ہوتا۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ"
(سورۃ الإسراء، آیت 70)
"اور بے شک ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے..."
مگر یہ عزت اُنہی کے لیے ہے جو اپنے رب کے
سامنے جھک جائیں:
"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"
(سورۃ الحجرات، آیت 13)
"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو
تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"
اور انسان کی اصل قدر اسی میں ہے کہ وہ خود
کو اللہ کے لیے جھکا دے:
"قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا"
(سورۃ الشمس، آیات 9-10)
"یقیناً وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کر
لیا،
اور وہ ناکام ہوا جس نے اسے گناہوں میں دبا دیا۔"

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آنکہ فرزندان خاص آدم اند
نفحہ "رَبَّنَا ظَلَمْنَا" میدمند

"جو حضرت آدمؑ کی خاص اولاد ہیں، وہ اپنے باپ کی طرح 'رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا' کی فریاد کرتے رہتے ہیں۔" آدمی وہی ہے جو اللہ کی رضا کو مقصود بنائے، اپنے نفس کو پاک کرے، اور قرآن و سنت پر عمل کرے۔ یا اللہ! ہمیں اُن بندوں میں شامل فرما جو حقیقی آدمیت کے حامل ہوں جن کی پہچان تیری رضا ہو، اور جن کی زندگی "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا" کی صدا ہو۔
آمین یا رب العالمین۔

کلمہ طیّب

کلمہ طیّب ہی مسلمان ہونے کی بنیاد ہے۔ جب کوئی صدق دل سے کلمہ طیب پڑھ لیتا ہے تو تمام دنیوی بت توڑ کر خالصتاً اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اللّٰہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسالتِ محمّدی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کا اقرار کرتا ہے۔ ایمان کا حصول کلمہ طیب کے زبانی و قلبی اقرار میں ہے اور عرفان ذات کا حصول تصدیق بالقلب سے کلمہ کی حقیقت تک پہنچنے میں ہے۔

حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام کا فرمان ہے:

قَائِلُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَثِيرًا وَالْمُخْلِصُونَ قَلِيلًا
ترجمہ: (رسمی اور رواجی طور پر کلمہ طیب پڑھنے والے تو کثیر ہیں مگر اخلاص سے کلمہ طیب پڑھنے والے بہت قلیل ہیں۔

إِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيقٌ بِالْقَلْبِ
ترجمہ: اقرار زبان سے کرو اور تصدیق دل سے کرو۔

جس شخص نے صدق دل (تصدیق قلب) سے کلمہ طیبہ پڑھا، اللہ اس پر دوزخ کی آگ حرام قرار دے دے گا۔ (بخاری 128)

أَفْضَلُ الذِكرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ (ابن ماجه 3800)
ترجمہ: افضل ترین ذکر لا إله إلا اللّٰہ ہے۔
کلمہ طیب پڑھنے کے تین درجے ہیں: مبتدی کا زبان سے کلمہ پڑھنا ، متوسط کا تصدیق دل سے کلمہ طیب کا اقرار کرنا اور عارف کا فنافی اللہ بقا باللّٰہ ہو جانا ہے۔
جو شخص کلمہ طیب کے لَا اِلٰہَ یعنی نفی کی حقیقت کو جان لیتا ہے اس سے دنیا اور آخرت کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہتی ۔ جو شخص لَا اِلٰہَ کی کنہ اور حقیقت کو پالیتا ہے اس پر اثبات اِلَّا اللّٰہ کے کل درجات کھل جاتے ہیں اور مُحَمَّدٌ رَسُولُ الله (صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم) کا محرم راز ہو جاتا ہے۔
آپ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کا محرم راز ہونا یہ ہے کہ کلمہ طیب پڑھنے والا جس وقت چاہے اپنے آپ کو مجلس محمّدی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم میں لے جائے۔
جس شخص کے وجود میں کلمہ طیب تاثیر کرتا

ہے اور اسے نفع دینے لگ جاتا ہے اس کی رگ رگ
اور ریشے ریشے میں کلمہ طیب دریا کی طرح
جاری ہو جاتا ہے اور وہ توحید ورسالت کی کنہ
اور حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس مقام تک پہنچنا
مرشد کامل اکمل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کلمہ
طیب میں اسم اعظم اللہ لِلّٰہ لَہٗ، ھُو اور محمّد
(صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم) پوشیدہ ہیں۔ مرشد
کامل وہ ہے جو طالب کو کلمہ طیب میں پوشیدہ
توحید ورسالت کے اسرار سے واقف کرادے۔
سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ
فرماتے ہیں:
اگر کسی کو تصدیق دل حاصل نہیں تو اس کا
محض زبان سے لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ کا
اقرار کر لینا اسے کوئی فائدہ نہ دے گا۔
دونوں جہان علم کی طے میں ہیں علم کلمہ طیب
لا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہ کی طے میں ہے
اور کلمہ طیب اسم اللّٰہ ذات کی طے میں ہے۔ جو
تصدیق دل سے کلمہ طیب کو اس کی کنہ جانتے
ہوئے پڑھتا ہے اس سے کوئی شے اور علم مخفی و
پوشیدہ نہیں رہتا۔ (امیر الکونین)
کلمہ طیب کے تین درجات ہیں۔ پہلا درجہ لَا إِلٰہَ
ہے دوسرا درجہ إِلَّا اللّٰہُ ہے اور تیسرا درجہ مُحَمَّدٌ

رَّسُولُ اللّٰہ ہے۔ ہزاروں ہزار میں سے صرف چند لَا اِلَہَ تک پہنچتے ہیں ، چند اِلَّا اللّٰہُ تک پہنچتے ہیں اور صرف چند ایک مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہ تک پہنچتے ہیں۔ پس لَا اِلَہَ نفی اور فنا ہے۔ اِلَّا اللّٰہُ اثبات اور بقا ہے۔ مرتے وقت لَا اِلَہَ کہنے سے تمام عمر کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں کہ نفی میں سب کچھ ختم ہو جاتا ہے، اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے بندہ اثبات کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہ کہنے سے مراتب انبیا و پیغمبری پر پہنچ جاتا ہے۔ پس پیغمبروں پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور یہ مطلق محبوبیت کا مقام ہے۔ (عین الفقر)

طیب کے زبانی اقرار اور پھر قلبی تصدیق سے دل میں موجود غیر اللّٰہ کی محبت فنا ہو جاتی ہے اور شرک خارج ہو جاتا ہے جس کے بعد ہی حقیقی توحید نصیب ہوتی ہے۔ خاص کی توحید یہ ہے کہ دیدار حق تعالیٰ حاصل ہو جائے اور مجلسِ محمدی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی دائمی حضوری حاصل ہو جائے اور خواص کی توحید یہ ہے کہ بندہ توحید میں غرق ہو کر ہمہ تن توحید ہو جائے ۔ اس کے بغیر جو کچھ ہے سب کہانیاں قصے ہیں۔

فکر اور تفکر

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالٰی ہے
أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُسَمًّى وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ (سورة روم - 8)
ترجمہ:
کیا انہوں نے اپنے اندر فکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور جو کچھ ان میں ہے حق کے ساتھ اور مقررہ وقت تک، بے شک اکثر لوگ لقائے الٰہی (دیدار الٰہی) کوجھٹلاتے ہیں۔
اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے دعوت غور وفکر دی ہے کہ اپنے اندر تفکر اور غور وفکر کرو اور آسمانوں اور زمین میں کہ ان کے اندر جو کچھ پیدا فرمایا گیا ہے، وہ حق ہے اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے:

تَفَكَّرُوا فِي أٰيٰتِهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي ذَاتِهِ
ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی آیات (نشانیوں) میں تفکر کر دیگر اس کی ذات میں تفکر مت کرو۔

تَفَكَّرُ السَّاعَةِ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ
ترجمہ: گھڑی بھر کا تفکر دونوں جہان کی عبادت سے بہتر ہے۔

الذِكرُ بِلَا فِكْرِ كَصَوْتِ الْكَلْبِ
ترجمہ : فکر کے بغیر ذکر کرنا گویا کتے کا بھونکنا ہے۔

کسی علم کو سیکھنے یا کسی چیز کوسمجھنے کے لئے جب ہم تفکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں تجس پیدا ہوتا ہے کہ اس چیز کی اصلیت کیا ہے؟ یہ کیوں اور کس لئے ہے؟ اگر چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی تفکر کیا جائے تو اس چھوٹی سی بات کی بڑی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور اگر کسی بڑی سے بڑی بات پر غور و فکر نہ کیا جائے تو وہ بڑی بات غیر اہم اور فضول بن جاتی ہے۔ تفکر سے ہمیں کسی شے کے بارے میں علم حاصل ہوتا ہے اور پھر تفکر ہی کے ذریعہ اس علم میں جتنی

گہرائی پیدا ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس چیز اور اس چیز کی صفات کے بارے میں ہم باخبر ہو جاتے ہیں ۔ دنیا آج مادی اور سائنسی ترقی کے جس مقام پر کھڑی ہے اس کی بنیاد غور وفکر ہی ہے۔ ہر ایجاد، دریافت ، منطق اور اصول کے پیچھے کسی سائنس دان، فلسفی یا مفکر کا غور و فکر اور تفکر موجود ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے:
اصل عبادت سوچ (غور و فکر) ہے۔
اے درویش ! غور کر، تیرا فکر وغم حق سبحانہ کی خاطر ہونا چاہیے نہ کہ اولاد اور رزق کی خاطر کہ فرمانِ حق تعالٰی ہے:
وَمَا مِنۡ دَابَّةٍ فِي الۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا (سورۃ حود - 6)
ترجمہ: زمین میں کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی کا ذمہ خود اللہ نے اُٹھا نہ رکھا ہو۔
نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَعِيشَتَهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ (سورۃ الزخرف - 32)
ترجمہ: ہم نے دنیا میں اُن کی روزی تقسیم کر دی ہے اور بعض کو بعض پر فوقیت دے دی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (سورة الذريات - 58)
ترجمہ: بے شک اللہ روزی دینے والا اور زبردست قوت والا ہے۔
وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (سورة الذاريات 22)
ترجمہ: اور تمہاری روزی کا بندو بست آسمانوں میں ہے جس کا وعدہ تم سے کیا گیا ہے۔

وَ كَأَيِّنْ مِّنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (سورة النبوت - 60)
ترجمہ: اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی اپنے ساتھ اُٹھا کر نہیں چلتے کہ اللہ انہیں روزی دیتا ہے اور تمہیں بھی روزی دینے والا اللہ ہی ہے، وہی ہے جو (سب کی) سنتا ہے اور (سب کے حالات کو) جانتا ہے ۔
انسان دن رات دنیا بنانے کی فکر اور اس کے لیے سوچ و بچار (تفکر) میں مصروف رہتا ہے۔ غفلت انسان کو عبادات شریعت کی طرف آنے نہیں دیتی اور جو عبادات شریعت (نماز ، روزہ، حج، زکوۃ ، تلاوت قرآن) تک پہنچ چکے ہیں وہ اسی

زکوۃ ، تلاوت قرآن) تک پہنچ چکے ہیں وہ اسی میں مگن ہیں، اس سے آگے بڑھنے کے بارے میں سوچتے ہی نہیں۔ ظاہری عبادات اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ضرور ہیں لیکن منزل نہیں ہیں۔ جو جہاں پر ہے اس مقام میں مگن اور غفلت کا شکار ہے۔ ہم اپنے بارے میں، اپنے بیوی بچوں ، گھر بار، کاروبار ، عزیز رشتہ داروں اور دوستوں کے بارے میں ہر لمحہ سوچتے اور غور و فکر کرتے رہتے ہیں ، کیا ہم نے کبھی مقصد حیات کے بارے میں غور وفکر کیا ہے؟ چونکہ بندے کی زندگی کا مقصد اللہ کو پانا ہے اس لیے جو اس مقصد سے غافل رہے گا وہ ناکام و نامراد ہو جائے گا۔

حضرت سخی سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

تو کیستی که به ز خدا بنده پروری

فرزند بنده ایست خدا را غمش مخور

ترجمہ: تیرا بیٹا اللہ کا بندہ ہے، تو اس کا غم نہ کر ۔ تیری کیا حیثیت کہ خدا سے بہتر بندہ پروری کر سکے

ذکر کنوں کر فکر ہمیشاں، ایہہ لفظ تکھا تلواروں ہو

صحابہ کرامؓ کی قربانیاں

سب سے بڑی سنت راہ حق میں گھر بار لٹا دینا ہے۔ اللہ پاک نے حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام سے فرمایا:
فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللہ (سورۃ النساء - 89)
ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ان میں سے کسی کو اپنا ولی (دوست) نہ بنائیں جب تک کہ وہ راہ خدا میں اپنا گھر بار نہ چھوڑ دیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اعلانِ نبوت اور دعوت الی اللہ کے جواب میں جن صحابہ کرامؓ نے لبیک کہا اور دل کی تصدیق کے ساتھ کلمہ طیب پڑھ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر ایمان لائے ، ان پر مصائب اور تکالیف کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ جو مومن غریب و نادار اور غلام طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اُن پر پہلے روز سے تشدد کی چکی چلا دی گئی۔ انہیں اتنی شدت سے جسمانی ، روحانی اور مالی اذیتیں دی گئیں کہ انسان اس کا تصور کر کے ہی کانپ اٹھتا ہے۔ مگر آفرین ہے صحابہ کرامؓ کی وفا

اور قربانی پر کہ کسی قسم کا ظلم وستم ان کو نہ تو راہ حق سے ہٹا سکا اور نہ ہی حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام سے ان کی وفا میں کوئی کمی آئی۔
جو مومن معاشرہ میں ذی عزت اور صاحب حیثیت لوگ تھے ان کو تحریص و ترغیب کے ذریعے دین حق سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر اکسایا گیا ۔ انہیں طرح طرح سے دنیاوی جاہ و مال کے لالچ دیئے گئے مگر جب ان کے پائے استقلال میں ذراسی بھی لغزش نہ آئی تو انہیں مختلف طریقوں سے ڈرایا دھمکایا گیا۔ ان سے کاروباری اور معاشرتی میل جول بند کر دیا گیا حتی کہ ایک دور ایسا آیا کہ سارے اہلِ مکّہ نے حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ متواتر تین سال تک مومنین کی یہ جماعت حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام کی معیّت میں شعبِ ابی طالب میں اہلِ مکّہ کے سوشل بائیکاٹ کا شکار رہی۔
لیکن قربان جائیے ان کے جذبہ ایمانی پر کہ سخت سے سخت تر حالات میں بھی ان کا ایمان متزلزل نہ ہوا۔ اہل مکّہ کے ظلم و ستم نے ان کی یہ حالت کر دی تھی کہ:

معاش کے ذرائع چھوٹ گئے ۔
غربت مفلسی اور فاقہ کشی نے ان کے گھروں میں ڈیرے ڈال لیے۔ عزیز واقارب نے ساتھ چھوڑ دیا۔
جسمانی اذیتیں دی گئیں ، گرم ریت اور کوئلوں پر لٹایا گیا ، رسیوں اور زنجیروں میں جکڑا گیا۔
قبیلہ میں سرداریاں اور مراتب چھن گئے۔
مال و دولت جاتا رہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ جیسے صحابہ کرامؓ نے اپنا تمام مال و متاع اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔
پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔
ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میدان جہاد میں باپ اپنے بیٹے اور بیٹا اپنے باپ سے نبرد آزما تھا۔
ساری تکالیف و مصائب صحابہ کرامؓ کے جذبہ ایمان اور حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام سے وفا کو متزلزل نہ کر سکے ۔ حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم کی تربیت اس انداز میں فرمائی کہ ان کے دلوں سے محبت الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سوا ہر محبت کو ختم کر ڈالا ۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں جو بھی چیز حائل ہوئی

صحابہ کرامؓ نے کمال بے نیازی سے اُسے اللہ کی راہ میں قربان کر ڈالا اور جب اسلام کو قربانی کی ضرورت پڑی صحابہ کرامؓ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ عین الفقر میں لکھتے ہیں:
حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تک تو اپنے بیٹوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ نہیں کر دیتا ، خود کو کتے کی طرح خاک میں نہیں ملا دیتا، لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (ترجمہ: تم اُس وقت تک بر (اللہ) کو نہیں پاسکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیز اللہ کی راہ میں قربان نہ کر دو) اور یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَ (ترجمہ: اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں) کو ظاہر اور باطن میں اختیار کر کے رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (ترجمہ: اللہ ان سے راضی گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) کا مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر لیتا تب تک تیرا یار جانی تجھ سے کہاں راضی ہوگا ؟ (عین الفقر)

نفس

اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس کو بڑا عجیب بنایا ہے۔ یہ خواہشات کی آماجگاہ ہے، ہر طرح کی بری خواہشات اور باغیانہ خیالات اسی میں پیدا ہوتے ہیں اور یہی انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی پر ابھارتا ہے۔ یہی شہوت کے وقت حیوانوں جیسی حرکتیں کرتا ہے، غصہ میں درندوں کی طرح اظہار وحشت کرتا ہے ، مصیبت کے وقت بے صبروں کی طرح آہ و زاری کرتا ہے، جب بھوکا ہوتا ہے تو حلال و حرام کی تمیز کھو دیتا ہے اور جب سیر ہوتا ہے تو باغی ، سرکش اور متکبر ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ انسان کا نفس کسی حال میں بھی خوش نہیں رہتا، انسان کو ہر وقت نت نئے فتنوں میں میتلا کرنے کے درپے رہتا ہے۔ جو اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے وہی " وصالِ الٰہی کی منزل تک پہنچتا ہے۔ نفس کا مرنا ہی دل کی حیات ہے لیکن س کو مارنا بڑا ہی مشکل ہے۔

نفس کیا ہے؟ نفس انسانی بدن میں ایسا چور ہے جو انسان کو خدا کی طرف مائل نہیں ہونے

دیتا۔ نفس بندے اور خدا کے درمیان حجاب اکبر ہے۔ انسانی وجود کے لئے نفس اور شیطان دو ایسی قوتیں ہیں جو ہمیشہ فطرت انسانی کو گناہوں کی طرف لے جاتی ہیں اور صراط مستقیم سے بھٹکاتی ہیں۔شیطان جب آدم علیہ السّلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے لعنتی قرار پایا تو اُس نے آدم علیہ السّلام اور ان کی اولاد کی دشمنی میں انسان کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔
جب آدم علیہ السّلام کا بت تیار ہو چکا تو شیطان نے حسد اور نفسانیت کی وجہ سے اس پر تھوک دیا۔ یہ تھوک حضرت آدم علیہ السّلام کی ناف کے مقام پر جاپڑی جس سے آدم کے وجود میں نفس کی بنیاد پڑی۔ نفس شیطان کا قدیمی ہتھیار ہے اور وہ بنی آدم کے وجود میں نفس ہی کے مورچے سے زہر بھرے تیر چلا کر انسان کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن اگر یہی نفس شیطان کے اثر سے نکل کر بنی آدم کے کنٹرول میں آجائے تو اللہ اور بندے کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔
نفس کی چار اقسام یا درجات ہیں۔ جوں جوں طالب ذکر اور تصور اسم اللہ ذات میں ترقی کرتا جاتا ہے نفس کا تزکیہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اول نفس

امّارہ ہوتا ہے۔ اسے نفس امّارہ اس لئے کہتے ہیں
کہ یہ ہر وقت برائی کا امر کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ
تعالیٰ سورۃ یوسف میں فرماتا ہے:
إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (سورۃ یوسف - 53)
ترجمہ: بیشک نفس امّارہ بُرائی کا امر کرتا ہے۔

یہ نفس کفار مشرکین، منافقین ، فاسقین ، طالبان
دنیا اور فاجر لوگوں کا ہوتا ہے۔ اگر اس کی اصلاح
اور تربیت نہ کی جائے تو یہ اپنی سرکشی ،
بغاوت اور طغیانی میں ترقی کرتا ہے اور انسان
سے حیوان، حیوان سے درندہ بلکہ مطلق شیطان
بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں نفس کی بیماریاں لا
علاج ہو جاتی ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ بیت میں
فرماتے ہیں:
صورت نفس امّارہ دی، کوئی کتا گُلّر کالا ھو

اگر نفس کی اصلاح اور نیک تربیت شروع ہو
جائے تو وہ بتدریج اوصاف حمیدہ اختیار کرتا ہے
اور باطن میں عالم ملکوت کی طرف ترقی کرتا ہے
جہاں نفس امّارہ سے لوامہ ہو جاتا ہے ۔ لوامہ کے
معنی ہیں ملامت کرنے والا ۔ یعنی گناہ پر انسان

کو اسکا نفس ملامت کرتا ہے اور پشیمانی دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید غیبی اور توفیق باطنی چونکہ نفس لوامہ کے شامل حال رہتی ہے لہٰذا گناہ پر انسان کو شرمسار کرتا رہتا ہے۔
ایسے نفس کو موت ، روز قیامت اور حساب کتاب وغیرہ ہر وقت یا درہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبانی روز قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی بھی قسم اٹھاتا ہے:

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيمَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ
(سورۃ القیامۃ 2-1)
ترجمہ: خبردار! میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی اور نیز قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ (گناہوں پر ملامت کرنے والے نفس) کی۔
اسکے بعد نفس کا جب مزید تزکیہ ہوتا ہے تو وہ لوامہ سے ملہمہ ہو جاتا ہے اور ترقی کر کے عالم جبروت میں داخل ہوتا ہے۔ نفس ملہمہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے انسان کو تائید غیبی سے الہام کرتا ہے کہ خبردار! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور گناہ سے باز آ جاؤ۔ ایسے نفس کی علامت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے :

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ فِي الْمَأْوَى (سورة النازعات 41 -40)
ترجمہ: اور لیکن جو شخص اللہ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اُس نے اپنے نفس کو ہوا (خواہشات نفسانی) سے باز رکھا۔ پس ایسے شخص کا ٹھکانہ بے شک بہشت ہے۔
نفس ملہمہ انسان کو ارتکاب گناہ کے وقت تائید غیبی یا الہام کے ذریعے گناہوں اور غلط کاموں سے ڈراتا اور روکتا ہے اور یہ الہام مختلف طریقوں سے ہوا کرتا ہے۔ بعض دفعہ انسان کو صحیح دلیل اور خیال کے ذریعے گناہ سے روکتا ہے، بعض کو غیب سے بے صوت و آواز القا ہوتا ہے، بعض دفعہ خوفزدہ کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ خواب کے ذریعے خبردار کیا جاتا ہے جس سے انسان کے دل میں خوف خدا موجزن ہو جاتا ہے اور وہ گناہ سے باز آ جاتا ہے۔ اس کے بعد جب نفس باطن میں ترقی اور عروج حاصل کرتا ہے اور اس کا تزکیہ مکمل ہو جاتا ہے تو وہ عالم لاہوت میں پہنچ کر نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔
گویا نفس اس ازلی راہزن شیطان سے نجات پا کر اپنی منزل حیات اور اپنے مقصود کو پالیتا ہے اور

دارالامن تک پہنچ جاتا ہے جو لَا تَخَفْ وَلَا تحزَن (خوف وغم سے امن) کا مقام ہے ۔ اس مقام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:
اَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ) (سورۃ یونس - 62)
ترجمہ: بے شک اولیاء کرام کو نہ تو کوئی غم ہوتا ہے اور نہ کوئی خوف۔
نفس مطمئنہ والا سالک اللّٰہ تعالیٰ کا دوست اور مقرب بن جاتا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ اس سے راضی اور وہ اللّٰہ سے راضی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللّٰہ ایسے اہلِ نفس مطمئنہ کے حق میں فرماتا ہے:
ياأَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِرْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبْدِي وَادْخُلِي جَنَّتِي) (سورۃ الفجر 30-27)
ترجمہ: اے نفس ۔ مطمئنہ لوٹ اللّٰہ تعالیٰ کی طرف ، ایسی حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اُس سے راضی ہے۔ پس میرے بندگان خاص کے حلقے میں شامل اور میری بہشت (قرب و وصال) میں داخل ہو جا۔
اسی نفس کے بارے میں آپ رحمتہ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں:

ایہو نفس اساڈا بیلی، جے نال اساڈے سدھا ھو
نفس کی یہ باطنی شخصیت بہت ارفع اور اعلیٰ
ہوتی ہے اور ایسا پاکیزہ نفس کامل اولیاء اور
انبیاء کا ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس کے یہ تمام مراتب
اسم اللہ ذات کے ذکر و تصور اور مرشد کامل اکمل
جامع نور الھدیٰ کی نگاہ سے حاصل ہوتے ہیں۔
ظاہری عبادات سے نفس کا یہ مرتبہ اور مقام ہرگز
حاصل نہیں ہوتا خواہ ساری عمر زہد و عبادت سے
کمر کبڑی ہو جائے اور انسان سوکھ کر کانٹا ہو
جائے ۔ بلکہ ظاہری عبادت کی کثرت سے تو نفس
سرکشی اختیار کر کے تکبر وانانیت کی گرفت میں
آجاتا ہے۔ ابلیس کی مثال آپ کے سامنے ہے۔
اولیاءِ کرام نے اپنی تصنیفات میں نفس کے شر
سے محفوظ رہنے کی تعلیم دی ہے اور نفس
مطمئنہ کے حصول پر زور دیا ہے۔

ترکِ دنیا – حقیقتِ فقر

ترکِ دنیا کا مطلب عام طور پر مال و دولت، جائیداد اور ظاہری آسائشوں کو چھوڑ دینا سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت اس سے کہیں زیادہ گہری ہے۔ مرشد کریمؒ فرماتے ہیں
"ہر وہ چیز دنیا ہے جو اللّٰہ کی یاد سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول یا متوجہ کر لے۔"
جیسا کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:
مَا شَغَلَكَ عَنِ اللَّهِ فَهُوَ صَنَمُكَ
ترجمہ:
"جو چیز تجھے اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنے ساتھ مشغول کر لے، وہی تیرا بُت ہے۔"
یہ حدیثِ مبارکہ اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ دنیا سے مراد صرف دولت نہیں، بلکہ ہر وہ شے ہے جو اللّٰہ سے غافل کرے۔

تصوف میں ترکِ دنیا کی حقیقت
منکرینِ تصوف اور طریقت نے "ترکِ دنیا" کو رہبانیت یا غیر اسلامی تصور قرار دے کر اسے رد

کیا، مگر انہوں نے صوفیاءِ کرام کی تعلیمات کو صحیح فہم کے ساتھ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔
صوفیاء کے نزدیک ترکِ دنیا سے مراد "ترکِ ہوس دنیا" ہے — یعنی دل میں دنیا کی محبت کا نہ ہونا۔ دنیا میں رہتے ہوئے، ہاتھ میں دنیا رکھ کر، دل کو اللّٰہ کا غلام بنانا اصل ترکِ دنیا ہے۔

حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام کا ارشاد ہے:
حُبُّ الدُّنْيَا وَالدِّينِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبٍ وَاحِدٍ، كَمَا لَا يَجْتَمِعُ الْمَاءُ وَالنَّارُ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ
ترجمہ:
"کسی دل میں دین اور دنیا کی محبت اکٹھی نہیں رہ سکتی، جس طرح آگ اور پانی ایک برتن میں جمع نہیں ہوسکتے۔
حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
می کند از ذکر و فکرِ حق جدا
باھو دنیا دانی چیست؟ پُردرد و بلا
ترجمہ:
اے باھوؒ تو جانتا ہے دنیا کیا ہے؟ یہ درد و بلا کی آزمائش ہے، جو بندے کو ذکر و فکرِ حق سے جدا کر دیتی ہے۔

دنیا اور دین کے راستے الگ ہیں۔ دنیا والوں کے خزانے سونا، چاندی، اونٹ، گھوڑے، نوکر، سپاہی، ڈھول، دف، نقارے تھے – جبکہ انبیاءِ کرام، صحابہ، ائمہ علیہم السّلام، اور اولیاء کا خزانہ فقر، فاقہ، ذکر، شکر، عشقِ الٰہی، قرآن و حدیث، نماز، روزہ اور اللہ کی یاد ھے۔
آپؒ مزید فرماتے ہیں:
"دنیاوی نوبت اور بادشاہی باطل اور فنا ہونے والی ہے، لیکن دینِ محمدی ﷺ کی شاہی کو بقا ہے۔"
حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
"جان لے! یہ دنیا ہی تھی جس نے حضرت محمّد رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کی۔ اگر ابو جہل مفلس ہوتا، تو وہ حضور کی اتباع کرتا۔"
"حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو شہید کرنے والے بھی دنیا دار تھے۔"
(عین الفقر)
جو دل سے دنیا کو نہیں نکالتا، وہ:
اللہ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔
حضور ﷺ کی مجلس تک نہیں پہنچ سکتا۔
نہ ہی اس کے ہر بال و قالب سے ذکر جاری ہو سکتا ہے۔

حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
"معرفت و فقرِ خدا، وحدانیت اور وصال – ترکِ دنیا کے بغیر ممکن نہیں۔"

ھر که در مردار غرقش کے شود دیدار اُو
غیر اللہ ھر چه باشد دفتر از دل بشو

ترجمہ:
جو مردار (دنیا) میں غرق ہے، وہ دیدارِ الٰہی کیسے پائے گا؟
جو کچھ غیر اللہ ہے، اسے دل سے دھو ڈال۔
(کلید التوحید کلاں)

حضرت سلطان محمد باھوؒ نے فرماتے ہیں
"نفسِ امّارہ، شیطان اور دنیا – تینوں نے انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے کا محاذ قائم کر رکھا ہے۔"
(اسرار قادری)

دو ماہ کے بچے کا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کلام کرنا

ایک کافرہ عورت، دو ماہ کا شیر خوار بچہ گود میں لیے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بغرضِ آزمائش حاضر ہوئی۔ ابھی وہ کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی کہ بچہ بول اٹھا:

"السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ جِئْنَا إِلَيْكَ!"
اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں۔
ماں نے غصے سے کہا:
"خاموش ہو جا! یہ تو نے کہاں سے سیکھا؟ تجھے یہ بات کس نے سکھائی؟"

درش از خشم گفتش می خموش
حیرت افکند ایں شہادت بجوش
ترجمہ
غصے سے ماں بولی: خاموش ہو جا
یہ گواہی تجھے کس نے دی؟ حیرت سے دل لرز اٹھا۔

بچہ نہایت وقار سے بولا:

گفت کُو گفتا کہ بالائے مت
می نبینی کن ببالا منظرت؟
ترجمہ
"ماں! اپنے سر کے اوپر دیکھ تو سہی،
کیا تُو نہیں دیکھتی کہ کون کھڑا ہے تیرے سر پر؟"

ایستادہ بر سر تو جبرئیل
مر مرا کشتہ بہ صد گونہ دلیل
ترجمہ
"جبرئیل عَلَیہِ السَّلام تیرے سر پر کھڑے ہیں،
وہ مجھے سکھا رہے ہیں نبی ﷺ کا وصف، صدہا دلیلوں کے ساتھ۔"

می بیاموزد مرا وصفِ رسولؐ
زاں علومم می رہاند از سفول
ترجمہ
"وہ مجھے رسولِ کریم ﷺ کا عرفان سکھا رہے ہیں،
اور مجھے ناپاک کفر و شرک سے نجات دلا رہے

ہیں۔"
ماں نے حیرت سے پوچھا:
"کیا تُو واقعی دیکھ رہا ہے؟"

گفت می‌بینی؟ تو گفتا که بلی
بر سرت تاباں چُو بدرِ کاملی
ترجمہ
"تو نے پوچھا: کیا تُو دیکھ رہا ہے؟
میں نے کہا: جی ہاں! تیرے سر پر وہ بدرِ کامل کی طرح روشن ہیں۔"

پھر رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:
"اے دودھ پیتے بچے! اپنا نام بتا اور میری اطاعت کر!"
بچہ عرض گزار ہوا:

گفت نامم پیش حق عبدالعزیز
عبدِ عربی پیشِ این یک مُشتِ حِیز
ترجمہ
"اللہ کے نزدیک میرا نام عبدالعزیز ہے،
مگر ان ذلیل مشرکوں نے مجھے عبدالعُزّیٰ کہا۔"

من ز عُزیٰ پاک و بیزار و بری
حق آنکہ اُو دادت تُو را پیغمبریؐ
ترجمہ
"میں عُزیٰ اور باطل ناموں سے پاک اور بیزار ہوں،
میں اُس حق کے صدقے میں ایمان لایا جس نے
آپ ﷺ کو نبی بنایا۔"
اسی لمحے جنت سے خوشبو اتر آئی:

پس حنوط آں دم ز جنت در رسید
تا دماغِ طفل و مادر بو کشید
ترجمہ
"اسی وقت جنت سے خوشبو آئی،
جس نے بچے اور ماں کے دل و دماغ کو معطر کر
دیا۔"
آں کہ را خود حق بود باشد حفیظ
مرغ و ماہی مر و را باشد عزیز
ترجمہ
"جس کا محافظ خود اللہ ہو،
اس کی حفاظت تو پرندے اور مچھلیاں بھی
کریں گی۔"
یہ سنتے ہی ماں کا دل بدل گیا، اور اس نے کلمہ
شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

حکایت: وہ غلام جو مسجد سے باہر نہ آیا

ایک وقت کی بات ہے، ایک رئیس (امیر) اپنے دیندار غلام سنقر کے ساتھ کسی ضرورت کے لیے سفر پر تھا۔
راستے میں ایک مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ غلام نے ادب سے کہا:
"آپ ذرا توقف فرمائیں، میں نماز ادا کرلوں۔"
امیر نے اجازت دی۔ سنقر مسجد میں چلا گیا، اور امیر قریب ہی ایک دکان پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

رفت سنقر میر بُرد کان شُست
منتظر از بادہ، پندارِ مُست
"سنقر گیا عبادت میں، اور رئیس غرور و نشے میں انتظار کرتا رہا۔"
نماز ختم ہوئی، امام و مقتدی سب باہر آ گئے، لیکن سنقر مسجد سے باہر نہ آیا۔
امیر نے آواز دی:
"اے سنقر تُو باہر کیوں نہیں آ رہا؟ تجھے کس نے روک رکھا ہے؟"

سنقر نے پردوں کے پیچھے سے بلند آواز میں کہا:
گفت آنکه بستہ‌است از بروں
بستہ‌است اُو هم مرا از اندروں
"جس نے تمہیں باہر سے اندر آنے سے روکا ہے،
اسی نے مجھے اندر سے باہر آنے سے روک دیا ہے!"

آنکه نگذارد ترا کائی دروں
می‌نه بگذارد مرا کایم بروں
"وہ ذات جس نے تجھے مسجد کے اندر آنے کی توفیق نہ دی، وہی مجھے باہر آنے کی اجازت نہیں دے رہی۔"
یہ سن کر امیر پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوئی، اور وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

ماهیان را بحر نگذارد برون
خاکیان را بحر نگذارد درون
"سمندر مچھلیوں کو باہر نہیں آنے دیتا، اور خاکی لوگوں کو اندر نہیں آنے دیتا۔"

اصل ماهی ز آب و حیوان از گل است
حیله و تدبیر، اینجا باطل است

"مچھلی کی اصل پانی سے ہے، اور دیگر جانوروں کی مٹی سے۔ یہاں تدبیر و چالاکی کچھ کام نہیں آتی۔"
سنقر اس وقت ذکر و مناجات کی ایک ایسی جذب کی کیفیت میں تھا کہ وہ الٰہی حضور میں محو ہو چکا تھا۔
ایسی کیفیت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے عطا ہوتی ہے۔

ذرہ ذرہ گر شود مفتاحِ جا
این گشایش نیست جز از کبریا
"اگر ساری کائنات کی ہر چیز چابی بن جائے، تب بھی یہ دروازہ صرف ذاتِ کبریا ہی کھول سکتی ہے۔"
عبادت کی توفیق اور ذکر الٰہی کی لذت صرف اللہ کے فضل سے نصیب ہوتی ہے۔
انسان چاہے کتنا بھی علم و تدبیر رکھتا ہو، اگر توفیقِ الٰہی نہ ہو، تو وہ مسجد کے دروازے تک آ کر بھی قربِ الٰہی سے محروم رہ سکتا ہے۔
سچی بندگی کا راز یہ ہے کہ دل مسجد میں قید ہو جائے اور دنیا باہر رہ جائے۔
جسے اللہ قریب کر لے، دنیا کی کوئی طاقت اُسے

دور نہیں کر سکتی۔"
اور جسے اللہ روک لے، وہ لاکھ چاہے بھی، درِ عبادت پر داخل نہیں ہو سکتا۔
پس جو عبادت کی توفیق پائے، وہ سمجھے کہ یہ اللہ کی عنایت خاص ہے، اور جو دور ہو، وہ رو رو کر دروازہ کھٹکھٹائے، یہی نجات کی راہ ہے۔

حکایتِ ایاز اور حاسدین

سلطان محمود غزنوی کے ایک مقرب درباری غلام "ایاز" نے ایک حجرہ تعمیر کیا، جس میں اُس نے اپنی پرانی گدڑی اور پوستین لٹکا دی۔
وہ اس حجرے کو متبرک رکھتا اور کبھی کبھی تنہائی میں جا کر اپنی وہی پھٹی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھ کر رویا کرتا، اور خود سے مخاطب ہوتا:
"اے ایاز! تُو ایک غریب خاندان کا لڑکا تھا، اور تیری یہی حالت تھی۔ یہ وہی لباس ہے جسے آج میں حیا و شرم سے مقفل رکھتا ہوں۔ دوسروں کے سامنے پہننا تو دور، دکھانا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اب تُو سلطان کی بارگاہ کا مقرب ہے، مگر اس شان و شوکت پر ناز نہ کر، کیونکہ تیری اصل حقیقت صرف یہی پوستین اور گدڑی ہے۔"
عمائدِ سلطنت (وزرا و درباری) اس راز سے بے خبر تھے۔ وہ ایاز کو اُس حجرے میں آتے جاتے دیکھتے، اور طرح طرح کے قیاس کرنے لگے۔
ایک دن تمام امراء سلطنت جمع ہو کر مشورہ

کرنے لگے کہ ایاز تنہا اس حجرے میں کیوں جاتا ہے؟ اور کیوں اسے تالے میں بند رکھتا ہے؟ آخر اس قفلِ گراں کی کیا وجہ ہے؟ ان میں سے کسی نے کہا:

را گفتند او را حجره‌ای است
اندر آنجا زر و سیم و خمره‌ای است

یعنی: "ایاز کے پاس ایک حجرہ ہے، جس میں سونا چاندی اور خزانہ چھپا ہوا ہے۔"

راه نمی‌نهد کسی را اندرو
بسته می‌دارد همیشه آں درو

یعنی: "وہ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا، اور ہمیشہ اس دروازے کو بند رکھتا ہے۔"

انہوں نے کہا کہ ہمیں یقین ہے کہ وہ شاہی دولت اس حجرے میں چھپا رہا ہے۔ اگر یہ راز بادشاہ سلامت کو معلوم ہو جائے تو دو فائدے ہوں گے: ایاز کی قربت ختم ہو جائے گی، اور ہمیں انعام بھی ملے گا۔

چنانچہ وہ سب بادشاہ کے پاس پہنچے۔ بادشاہ نے کہا:
"ہم آج آدھی رات کو اُس حجرے کا معائنہ کریں گے۔ جو کچھ بھی خزانہ نکلے، وہ تم لوگوں میں بانٹ دیا جائے گا۔"
پھر فرمایا:

با چنین اکرام و لطفِ بےعدد
از یتیمی سیم و زر پنهان کند؟

"اتنے اکرام و انعام کے بعد بھی اگر وہ دولت چھپاتا ہے تو افسوس ہے!"

بر که اندر عشق یا به زندگی
کفر باشد پیش اُو جز بندگی

"جو شخص عشق سے زندہ ہو، اُس کے لیے بندگی کے سوا کچھ اور کفر ہے۔"

اگرچہ بادشاہ کو ایاز کی پاک دلی پر مکمل یقین تھا، مگر اس نے حاسدین کی اصلاح کے لیے ان کے ساتھ مزاحاً یہ قدم اٹھایا:

یعنی: "شاہ کو ایاز پر کوئی بدگمانی نہ تھی۔ وہ صرف حاسدین کو شرمندہ کرنے کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔"
آخر آدھی رات کو حجرہ کھولا گیا۔ اندر صرف پھٹی ہوئی گدڑی اور پرانی پوستین تھی۔ سب حیران رہ گئے۔ پھر کسی نے کہا شاید خزانہ زمین میں دفن ہو، چنانچہ کھدائی کی گئی — مگر کچھ نہ ملا۔

عاقبت نومید، دست و لب گزاں
دستہ‌ها بر سر زنان همچو زنان

بالآخر سب حیرت و شرمندگی میں مبتلا ہو گئے، اور عورتوں کی طرح سر پر ہاتھ مارنے لگے۔
شاہ کے سامنے سب حاضر ہوئے، اور کہنے لگے:
"اب جو بھی سزا ہو، ہم قبول کرتے ہیں۔ مگر اگر شاہ ہمیں معاف کر دے، تو شاہِ کرم ہو گا۔"
شاہ نے کہا:
کن میانِ مجرماں، حکم تو ایاز!
تو کہ پاکی با صد احتراز، ای ایاز!
"اے ایاز! تُو ان مجرموں پر فیصلہ صادر کر، کیونکہ تُو اس الزام سے مکمل طور پر پاک و

محترز ہے۔"
زا متحان، شرمندہ خلقی بیشمار
ز امتحان‌ها، جملہ از تو شرمسار
"اے ایاز! تیری آزمائش سے سب لوگ شرمندہ اور نادم ہو چکے ہیں۔"

گفت: ای شاہ! جملگی فرمان تراست
با وجودِ آفتاب، اختر فناست
"ایاز نے کہا: اے بادشاہ! تمام حکم آپ کے ہیں۔ آفتاب کی موجودگی میں ستارے کی کیا حیثیت؟"

زہرہ کے بود یا عطاژد یا شہاب
کہ برون آید بہ پیشش آفتاب؟
"زہرہ، عطارد یا شہاب ثاقب — آفتاب کے سامنے کوئی چمک نہیں سکتا۔"

شاہ خوش ہو گیا اور کہا:
آی ایاز! از تو غلامی نور یافت
نورت از پستی، سوی گردوں شتافت
"اے ایاز! تیری غلامی نے روشنی پائی، اور تیرا نور پستی سے عروج کی جانب روانہ ہوا۔"

حسرت آزادگان شد بندگی
بندگی را چون تو داری زندگی
"آزادی کو بندگی پر رشک ہونے لگا، کیونکہ تُو نے بندگی کے ذریعے زندگی کا راز پا لیا۔"
ایاز نے عرض کیا:
گفت: آں دائم عطا تست ایں دَر
نہ من آں چارقم و آں پوستین
"یہ سب کچھ آپ ہی کی عطا ہے، ورنہ میں وہی ہوں جو ابتدائی دنوں میں گدڑی اور پوستین پہنے حاضر خدمت ہوا تھا۔"

چارقت نطفه است و خونت پوستین
باقی ای خواجہ! عطائے اوست ہین
"اے مخاطب! تیری گدڑی تو نطفہ ہے، اور تیری پوستین خون حیض۔ باقی جو کچھ ہے، وہ رب کی عطا ہے۔"
اس حکایت میں حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ نے فنائیت اور بندگی کی عظیم تعلیم دی ہے۔ ایاز کی مثال ہمارے لیے یہ ہے کہ عطائے شاہی کے تمام انعامات کے باوجود بھی اُس نے تکبر اور غرور سے خود کو بچایا۔ اُس نے روزانہ اپنی اصل حالت کو یاد رکھا – ایک غریب، ناتواں، ننگ و افلاس میں

ڈوبا غلام۔

اسی طرح، سالکینِ راہِ حق کو اپنی حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے — ہم نطفۂ پدر اور خونِ مادر سے بنے ہیں۔ ہماری جو بھی عزت، شان، دولت یا روحانیت ہے، وہ سب خالصتاً عطائے ربّانی ہے۔ انسان جتنا بھی بلند ہو جائے، اُسے اپنی حقیقت نہیں بھولنی چاہیے — یہی عجب و تکبر سے حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

حکایت: شیر بنوانے والا شخص

زمانۂ جاہلیت میں بعض علاقوں کے لوگ اپنے جسم، خاص طور پر ہاتھ یا بازو پر شیر یا چیتے کی تصویر بنوایا کرتے تھے، تاکہ بہادری اور جرأت کی علامت ظاہر ہو۔
ایسے ہی ایک شخص نے ایک نقش گر سے کہا:
"میرے ہاتھ پر شیر بنا دے!"
نقش گر نے سوئی کو آگ میں گرم کیا اور جیسے ہی اس کے ہاتھ پر رکھی، وہ درد سے چیخ اٹھا:
"ارے! یہ کیا بنا رہا ہے؟"
نقش گر بولا: "شیر کی دم بنا رہا ہوں!"
وہ کہنے لگا: "ارے! دم کے بغیر بھی شیر بن سکتا ہے، دم چھوڑ دے!"
نقش گر نے دوبارہ سوئی گرم کی اور کام شروع کیا، تو وہ پھر چلایا:
"اب کیا بنا رہا ہے؟"
نقش گر بولا: "اب کان بنا رہا ہوں!"
وہ جھنجلا کر بولا: "ارے بھائی! بغیر کان کے بھی شیر ہو سکتا ہے!"
پھر سوئی دوبارہ گرم کی گئی، اور جونہی ہاتھ

پر رکھی، وہ درد سے تڑپ کر بولا:
"اب کیا بنا رہا ہے؟"
نقش گر بولا: "اب شکم یعنی پیٹ بنا رہا ہوں!"
وہ فوراً بولا: "رہنے دے، شکم کے بغیر ہی شیر بنا دے!"
آخرکار جب نقش گر نے سر بنانے کی بات کی تو وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا۔
نقش گر غصے سے بولا:

"شیر بے دُم و سر و شکم که دید؟
این چنین شیرے خدا ہَم نافرید!"
یعنی: "بے دُم، بے سر، اور بے شکم شیر کسی نے دیکھا ہے؟ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا!"

"چوں نداری طاقتِ سو زَدن،
از چنین شیرِ ژیان، پس دَم مزن!"
یعنی: "جب تجھ میں سوئی کی جلن سہنے کی طاقت نہیں، تو ایسے جری شیر کی بات بھی نہ کرا!"
پھر مولاناؒ فرماتے ہیں:

"اے برادر! صبر کن بر دَردِ نیش،
تا رَہی زَ نیشِ نفسِ گِرگ کِیش!"
اے بھائی! استاد یا مرشد کی اصلاحی چبھن کو صبر سے برداشت کر، تاکہ تو نفسِ امّارہ کے زہرناک نیش سے نجات پا سکے۔

"ہمے خواھی کہ بفروزی چو روز،
بَسْتۂ بیچون شبِ خود را بسوز!"
اگر تو دن کی طرح روشن ہونا چاہتا ہے، تو رات کی طرح اپنی ہستی کو فنا کر دے۔

جب تو اپنی خودی کو مٹائے گا اور مرشد کی راہ میں سختیوں کو جھیلے گا، تو حقیقتِ حق کا نور تیرے باطن میں چمک اٹھے گا۔

"کال گروند کہ ربود از وُجود،
چرخ و مہر و ماہ، شان آرد سجود!"
جو اللہ والے اپنی ہستی کو فنا کر دیتے ہیں، وہ ایسے مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ چاند، سورج اور ستارے بھی ان کے نورِ باطن کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

"چوں ببینی کُروفرِ قربِ را،
جیفہ بینی بعد از ایں، ایں شَرب را!"
جب تُو قربِ الٰہی کی شان کو دیکھے گا، تو دنیا کی ساری رنگینیاں تجھے مردار محسوس ہوں گی۔

"گریہ زخمے تو پُر کِینہ شوی،
پس چرا بے مُستقل آئینہ شوی؟"
اگر تو ہر زخم پر کینہ پالے گا، تو آئینہ جیسا صاف دل کیسے بنے گا؟

یہ چند روزہ مجاہدہ ہے، پھر راحت ہی راحت ہے۔ جو شخص مرشد کی تربیت میں صبر و رضا کے ساتھ چلتا ہے، وہ جلدی باطنی پاکیزگی اور قربِ الٰہی کے انوار سے منور ہو جاتا ہے۔

حکایت: جبری جو خیر و شر میں خود کو مجبور سمجھتا تھا

ایک شخص جو بدعقیدہ تھا، یہ کہتا پھرتا کہ بندہ مکمل طور پر مجبور محض ہے، اور اس کو کسی چیز پر اختیار حاصل نہیں۔ اس لئے خیر و شر کا ذمہ دار بھی وہ خود کو نہیں سمجھتا تھا۔
ایک دن یہ شخص ایک باغ میں داخل ہوا اور بغیر اجازت خوب پھل توڑ توڑ کر کھانے لگا۔
باغ کے مالک نے دیکھا تو فوراً ٹوکا:
"ارے چور! یہ کیا کر رہا ہے؟"
اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا:
"یہ باغ خدا کا ہے، اور میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔ تو جو کچھ عطائے الٰہی ہے، وہی کھا رہا ہوں، تو اس میں میرا کیا گناہ؟"
مالک نے کچھ نہ کہا، ایک رسی لایا اور اسے درخت سے باندھ دیا، پھر ایک موٹا مضبوط ڈنڈا لیا اور خوب پیٹنا شروع کر دیا۔
چور چیخا:
"ارے خدا سے ڈر! مجھے بےگناہ کیوں مار رہا ہے؟"
مالک نے نہایت اطمینان سے جواب دیا:

"یہ ڈنڈا بھی خدا کا ہے، میں بھی خدا کا بندہ ہوں، اور ایک بندہ دوسرے بندے کو پیٹ رہا ہے۔ سب کچھ خدا کر رہا ہے۔ مجھے کچھ اختیار نہیں، میں بھی مجبور ہوں!"

یہ بات سن کر وہ چیخ اٹھا:

"توبہ توبہ! میں اس عقیدہ جبر سے توبہ کرتا ہوں! بے شک انسان کو اختیار حاصل ہے، اختیار ہے، اختیار ہے!"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا:

"کیا انسان مجبور ہے یا مختار؟"

آپ نے فرمایا: "ایک پاؤں اُٹھا!" اس نے اُٹھا لیا۔ پھر فرمایا: "اب دوسرا بھی اُٹھا!" اس نے کہا: "دونوں پاؤں کیسے اُٹھا سکتا ہوں؟"

آپؓ نے ارشاد فرمایا:

"بس یہی تیرے سوال کا جواب ہے۔ انسان نہ مکمل طور پر مختار ہے، نہ مکمل مجبور، بلکہ آدھا مختار ہے، آدھا مجبور۔"

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اعمالِ صالحہ اور فہمِ سلیم کی دعا مانگنی چاہیے، کیونکہ بعض گناہوں کی نحوست انسان کی عقل پر عذاب بن کر نازل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس اُمت پر وہ عذاب اُٹھا لیا گیا ہے

جس سے بدن مسخ ہو جایا کرتے تھے، مگر اس امت پر دل اور عقل کا مسخ ہونا بطور عذاب آج بھی باقی ہے۔

"اندریں اُمت نہ بد مسخ بدن
لیک مسخ دل بود، اے بولا فطن"

یعنی: اس امت میں بدن تو مسخ نہیں ہوتے، مگر دل اور عقل ضرور مسخ ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فہم سلیم، نورِ عقل، اور صحیح عقیدہ عطا فرمائے، اور ہمیں ہر قسم کے باطنی و ظاہری عذاب سے محفوظ رکھے۔

جو شخص اللہ والوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی کی پابندی کرتا ہے، وہ عقل کے مسخ ہونے جیسے باطنی عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

ذات و صفات باری تعالیٰ

انسان مخلوق ہے اور اس کے اندر جو افکار پیدا ہوتے ہیں وہ بھی مخلوق ہیں۔ اے مخاطب تو اللّٰہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے کے لیے جو کچھ فکر کرے گا وہ فکر بھی مخلوق ہوگی اور فانی ہوگی۔ خوب جان لے کہ تیرے احاطہ فکر میں خدا کی ذات نہیں آسکتی کیونکہ اس سے لامحدود کا محدود میں آجانا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ حدیث شریف کی روشنی میں ذاتِ حق میں فکر و خوض ممنوع قرار دیا گیا ہے، کیونکہ امرِ محال کے پیچھے پڑنا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللّٰہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے اس کی مخلوقات میں فکر و غور کرو، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُولِي الْألْبَابِ"

(سورة آل عمران، 3:190)

پس قرآن سے یہ مدلول ثابت ہو گیا کہ تفکر في خلق اللّٰہ مفید ہے۔

بہت سے مخفی امور اپنی ضد سے ظاہر ہو گئے جیسا کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ:
"وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ"
(لسان العرب)
چونکہ حق تعالیٰ کی ضد نہیں ہے اس لیے وہ ذاتِ پاک پنہاں اور مخفی ہے۔
جس شخص کے سینے میں نورِ حق داخل ہو گیا، وہ ہر ذرہ کائنات میں آفتابِ حق کی تجلّیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ آنکھ کی روشنی کی صحت ادراک (بصارت صحیحہ) دل کی بصیرت کے نور سے وابستہ ہے۔ قلب جتنا نورانی ہوتا جاتا ہے، اتنی ہی بصارت نور فراست سے مشرف ہوتی جاتی ہے۔
قلب کو نور ذکرِ اللّٰہ کی کثرت سے عطا ہوتا ہے، جس کے قلب میں اللّٰہ تعالیٰ کے خوف اور محبت کا نور جتنا ہوگا، اسی قدر اس کا دل نورانی ہوگا۔ اللّٰہ تعالیٰ کا نور عقل و حواس خمسہ کے نور سے جدا اور پاک ہے۔ خلاصہ یہ کہ آنکھ کائنات سے اللّٰہ تعالیٰ کی معرفت اُس وقت حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے جب اس کی روشنی دل کی روشنی سے وابستہ ہو، اور دل کی روشنی وہ معتبر اور مفید ہے جو نور خدا سے حاصل ہوتی ہو۔ پس خدا

کا نور دل میں اور دل کا نور آنکھوں میں ہو تو کائنات کا ہر ذرہ خدا کے وجود پر گواہ نظر آئے گا۔

حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں اس طرح ظاہر ہوتا ہے جس طرح ستاروں میں چاند نمایاں اور ممتاز ہوتا ہے، اور جنت میں اسی طرح مشاہدہ جمال عطا ہو گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ جنت میں ہم اپنے رب کو اتنے اژدھام و ہجوم میں کس طرح دیکھ سکیں گے؟ ارشاد ہوا:
"كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ فِي لَيْلَةِ الْبَدْرِ"
(صحیح بخاری، حدیث نمبر 7431)[3]

اگر تُو اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تو آثار قدرت الہیٰ سے مؤثر حقیقی کی معرفت حاصل کر۔
ہر عاقل یہ بات بخوبی سمجھتا ہے کہ ہر متحرک کے لیے کوئی محرک ہوتا ہے، یعنی کوئی شے اگر حرکت کرتی ہے تو اس کو حرکت میں لانے والا بھی موجود ہوتا ہے۔
جسم کی حرکت روح کی وجہ سے ہے لیکن تم

روح کو نہیں دیکھتے۔ جب کسی جسم میں حرکت کے آثار دیکھو تو اس کی روح کے وجود پر یقین کر لو۔
بعض اوقات گھوڑا میدان میں تیز دوڑتا ہے اور گرد و غبار سے سوار نہیں دکھائی دیتا۔ خاک کو فضا میں اڑتے دیکھتے ہو لیکن اس خاک کو جو ہوا اڑا رہی ہے وہ نظر سے مخفی ہے۔ اس کو صرف دلیل سے سمجھتے ہو۔
روح کو جسم کی حرکت سے سمجھ لیتے ہو مگر روحُ الارواح کو سمجھنا مشکل ہے کہ وہ مخفی در مخفی ہے۔
ہر مکان کی چھت اور دیوار کا نقش آنکھوں کے سامنے ہے مگر نقش جس معمار کے سایہ فکر کا عکس ہے وہ مخفی ہے۔
آفتاب کے وجود کی دلیل اس کا نور مستطیل ہے اور ایسی روشن دلیل کے بعد پھر بھی اس کے لیے دلیل کی ضرورت محسوس کرنا طبع خفاشیت کی دناءت و ذلت کے سوا کچھ نہیں۔
خفاشیت:
چمگادڑ کی طرح اندھیرے میں رہنا، روشنی اور بصارت سے محرومی۔

دناءت:

ذلت، پستی، حقیر پن، کمینگی۔

جسم ظاہر ہے، روح مخفی ہے، جس طرح ہاتھ مخفی ہے اور آستین ظاہر ہے۔
یہ گفتگو اور آواز تکلم دماغی فکر سے پیدا ہوتی ہے، مگر آواز اور سخن ظاہر ہیں اور فکر کا سمندر مخفی ہے، حتی کہ آپریشن کے بعد بھی دماغ میں فکر کا خزانہ نظر نہیں آتا۔
ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت کے لیے صفات باری تعالیٰ کے اندر تفکر کرو تاکہ یہی تفکر فی الصّفات تمھارے لیے معرفتِ ذات کا سبب بن جائے، کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ غیر محدود ہے اور تمھاری عقل و فکر کا پیالہ محدود ہے، اس غیر محدود سمندر کو محدود ظرف میں کیسے لایا جا سکتا ہے۔

خیر و شر

حق تعالیٰ نے دنیا میں کوئی چیز بھی حکمت سے خالی پیدا نہیں فرمائی۔ چنانچہ غصہ، شہوت، علم، مکر اور دیگر اخلاقِ حمیدہ و اخلاقِ رذیلہ ان سب میں حکمتیں مضمر ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ از و حمامِ تقوی روشن است
دنیا کی خواہشات، جاہ و مال و زن یہ سب ایندھن کی مانند ہیں، جو تقویٰ کے حمام کو روشن کرتے ہیں۔
یعنی تقویٰ کے احکام انہی خواہشات کے ضبط اور ان پر صبر کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ جب نفس کی ان خواہشات پر قابو پایا جائے اور ان کی مخالفت میں پیش آنے والی تکالیف پر صبر کیا جائے، تو یہی تقویٰ کی روشنی بن جاتی ہے۔

ہزار خونِ تمنا، ہزار ہا غم است
دلِ تباہ، فرمانروائے عالم است
دلِ تباہ سے مراد وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی

کرنے کے لیے اپنی تمام ناجائز خواہشات پر صبر کرتا ہے، اور ہر تمنا کا خون کرتا ہے۔ ایسا دل ہی دراصل روحانی بادشاہی کا مستحق ہوتا ہے۔
پانی کی مخلوق (مثلاً مچھلی) دریا کو باغ سمجھتی ہے، جبکہ خاکی مخلوق (مثلاً انسان) اسی دریا کو اپنے لیے درد و تکلیف کا سبب گردانتی ہے۔
اسی طرح ایک شخص مثلاً زید، اپنے حاسد و دشمن کی نظر میں شیطان ہو سکتا ہے، جبکہ دوستوں کی نظر میں وہی زید سلطان بن کر نظر آتا ہے۔
کفر کی دو حیثیتیں ہیں:
1. ایک یہ کہ حق تعالیٰ اس کے خالق ہیں—یہ حیثیت حکمت رکھتی ہے۔
2. دوسری یہ کہ انسان اس کفر کا کاسِب (یعنی خود اختیار کرنے والا) ہو—یہ حیثیت آفت ہے۔
ہر شر اور عیب اپنی پیدائش کے اعتبار سے حکمت کا حامل ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہونا محال ہے۔
مگر یہی شر و عیب جب مخلوق خود اختیار کرتی ہے، تو یہی شر و عیب اس کے لیے ضرر رساں بن جاتا ہے۔

موت و معاد

اے مخاطب! ہر شخص کو موت اس کی ہم رنگ شکل میں پیش آتی ہے۔ اگر وہ دوست ہے، یعنی اللہ کا ولی ہے، تو موت بھی دوست کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر وہ دشمن ہے، یعنی کافر یا نافرمان ہے، تو موت بھی دشمن کی شکل میں سامنے آتی ہے۔
اولیاء اللہ چونکہ موت کو محبوبِ حقیقی کی ملاقات اور دیدار کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے لیے موت شَکر کی طرح شیریں ہوتی ہے۔
عارف کی جان جسم کے حواسِ خمسہ ظاہرہ و باطنہ کے ہنگاموں سے آزاد ہو کر دل کے پَر سے حق تعالیٰ کی طرف ہر لحظہ پرواز کرتی رہتی ہے، بغیر جسم کے پاؤں کے۔
ہمارا سونا اور جاگنا—یہ دونوں موت اور حشر پر گواہ ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

"النَّوْمُ أَخُ الْمَوْتِ"
ترجمہ: نیند موت کا بھائی ہے۔
یعنی جس نے کسی کو دیکھنا ہو، وہ اس کے بھائی کو دیکھ لے۔

حضور ﷺ نے اس حدیثِ مبارکہ کے ذریعے حشر و نشر کا مشاہدہ کرا دیا، کیونکہ سونے کے بعد مردہ اور سویا ہوا، دونوں یکساں ہو جاتے ہیں۔

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب از دولت بے خبر سلطانیاں
رات کو سونے کے بعد قیدی اپنے قید خانے کے غم سے، اور بادشاہ اپنی سلطنت و دولت کے احساس سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد جو دعا حدیث شریف میں آئی ہے، وہ بھی ایک استدلالی مضمون رکھتی ہے:

"الحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإلَيْهِ النُّشُور"
(بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۹۳)
ترجمہ:
تمام تعریفیں اس مالکِ حقیقی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مردہ کرنے کے بعد زندہ کر دیا، اور اسی کی طرف ہمارا لوٹنا ہے۔

نبوّت و وحی – علمِ الٰہی کا آئینہ

چوں خدا اندر نیاید در عیاں
نائبِ حق اند این پیغمبراں
ترجمہ:
جب اللہ تعالیٰ کی ذات نگاہوں کے ظاہری دائرے
میں نہیں آتی،
تو انبیاء کرام ہی اس کے نائب ہوتے ہیں، یعنی اللہ
کی طرف سے نمائندہ۔

نور خواہی از مہ بہ طلب، خواہی ز خور
نورِ مہ بہم نہ آفتاب است اے پسر
ترجمہ:
اگر تُو نور چاہتا ہے تو اسے چاند سے مانگ، یا
سورج سے،
لیکن جان لے! چاند کا نور درحقیقت سورج ہی کا
پرتو ہوتا ہے، اے بیٹے
اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی پاکیزہ اور برتر ہے
کہ ہماری ظاہری آنکھیں اس کا دیدار نہیں کر
سکتیں۔
وہ عالمِ غیب میں ہے، بے مثل و بے مثال۔ لیکن

انسان کو اس کی ہدایت کی اشد ضرورت ہے۔
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السّلام کو
منتخب فرمایا تاکہ وہ اس کی طرف سے لوگوں
کو ہدایت، پیغام اور معرفت عطا کریں۔
جیسے سورج کی روشنی سے چاند روشن ہوتا ہے،
اسی طرح انبیاءِ کرام عَلَیہِ السَّلام کی ہدایت بھی
اللہ کی روشنی کا عکس ہے۔
پس چاند کو دیکھنا دراصل سورج کو دیکھنے
جیسا ہے، کیونکہ اصل نور سورج کا ہے۔
انبیاء علیہم السّلام کی سینے عشقِ الٰہی سے لبریز
ہوتے ہیں۔ ان کی باتوں میں وہ حرارت، محبت اور
درد ہوتا ہے کہ سننے والوں کے دل زندہ ہو جاتے
ہیں۔ ان کا کلام صرف معلومات نہیں بلکہ حیاتِ
جاوداں ہے۔
یہ علم ان کو کسی استاد یا مکتب سے نہیں
ملتا بلکہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ان پر علمِ لدنی کا
دروازہ کھولتا ہے۔
یہ ایسا علم ہے جو نہ کتابوں میں ہے، نہ فلسفے
میں اور نہ عقلِ انسانی کی حد تک رسائی رکھتا
ہے۔ جب کسی کا دل طہارت، سچائی اور طلبِ
حق کے ذریعے پاک ہو جاتا ہے،
تو اللہ تعالیٰ اس پر غیب کے اسرار ظاہر فرما

دیتا ہے۔ اسے وہ معرفت عطا کرتا ہے جو عام عقل والوں کے بس کی بات نہیں۔
مثلاً ایک فلسفی اس بات کو نہیں مانتا کہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی میں کھجور کا خشک تنا (اسطوانہ حنانہ) رونے لگا۔
لیکن اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس نورِ نبوت کے ادراک سے محروم ہے۔
عقل سے علم حاصل ہوتا ہے، لیکن خود عقل کو بھی عقلِ نبوت کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔
جو عقل، نبی کے در سے فیض نہ لے، وہ کفر میں گم ہو جاتی ہے۔
انبیاء علیہم السّلام اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔
ان کو علم براہِ راست حق تعالیٰ سے ملتا ہے۔
ان کی ہدایت، نورِ خداوندی کا عکس ہوتی ہے۔
جو دل پاک ہو، وہ اس ہدایت سے فیض یاب ہوتا ہے۔ اور جو دل زنگ آلود ہو، وہ معجزات کا انکار کرتا ہے۔ عقل اگر نبوت کے تابع ہو جائے تو نور ہے، ورنہ ظلمت۔

معجزہ – انبیاء کی حقانیت کا جلوہ

حضراتِ انبیاء علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور حق میں کامل ترین ہستیاں ہیں، ان کے معجزات، اہلِ دل پر مثل آبِ حیات اثر کرتے ہیں۔ ان معجزات کی نورانیت، انبیاء عَلَیہِ السَّلام کی محبوبیت و محبت کی دلیل ہوتی ہے۔
معجزہ، بسا اوقات کفار پر بھی ظاہر ہوتا ہے، تاکہ وہ حق کو پہچانیں،
مگر اس کا محبت انگیز اثر صرف اہلِ ایمان، یعنی انبیاء عَلَیہِ السَّلام کے عاشقوں پر ہوتا ہے،
جس سے ان کے دل رسولِ خدا عَلَیہِ السَّلام پر فدا ہونے لگتے ہیں، اور وہ محبتِ نبوی عَلَیہِ السَّلام میں ڈوب جاتے ہیں۔
معجزہ دیکھنا ایمان کی ضمانت نہیں، ورنہ ہر کافر ایمان لے آتا۔
اصل بات یہ ہے کہ ایمان کے لیے دل میں ایک خاص استعداد چاہیے،جس کے ذریعے صفاتِ نبوت دل میں اثر ڈالتی ہیں۔
یہی حال موسمِ بہار میں ہوتا ہے کہ ایک ہی پانی

زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے
اور وہی پانی پتھر پر کوئی اثر نہیں کرتا۔
عمومی حالات میں اللہ تعالیٰ ہدایت کے اسباب
عام قانون کے مطابق ظاہر فرماتا ہے،
مگر کبھی کبھار اپنی قدرتِ کاملہ سے قانون کے
خلاف، معجزات کے ذریعے راستہ کھولتا ہے۔
اسی طرح دنیا کے عقلمند لوگ صرف ظاہری
اسباب کے ماہر ہوتے ہیں، مگر ان اسباب کے
پیچھے جو راز ہے،
اس سے صرف انبیاء علیہم السّلام باخبر ہوتے
ہیں۔ نتیجہ صرف اللہ کے ہاتھ میں
خیر و شر، نفع و نقصان،
سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔
ظاہری اسباب و تدابیر کو محض ذریعہ سمجھو،
اور نتیجہ کو خالصتاً اللہ کے قبضے میں جانو۔
جو مسببِ حقیقی سے غافل ہو کر ظاہری اسباب
کا بندہ بن جائے، وہ تو گدھے کی مانند ہے
جو صرف بوجھ ڈھوتا ہے مگر حقیقت کو نہیں
پہچانتا۔ اے مخاطب! آنکھیں کھول!
اور مسببِ حقیقی – ربِّ ذوالجلال پر نظر کر
تاکہ تو ان اسباب کے فریب سے آزاد ہو جائے
اور نورِ یقین سے مالا مال ہو جائے۔

تقدیر – ربِ کائنات کا علمِ ازلی

اس شہرِ حوادث، یعنی پوری کائنات میں تمام تر حاکمیت صرف اور صرف اللّٰہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہی اس نظامِ ہست و بود کا واحد و یکتا فرمانروا ہے۔
کوئی پتہ درخت سے جدا نہیں ہو سکتا جب تک سلطانِ حقیقی کا حکم نہ ہو۔
کوئی لقمہ انسان کے منہ سے گلے تک نہیں جا سکتا، جب تک حق تعالیٰ اسے حکم نہ دے کہ "داخل ہو جا"۔
زمین و آسمان کے کسی بھی ذرے میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللّٰہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر حرکت یا پرواز کر سکے۔
تقدیر کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم خیر و شر میں مجبور ہیں۔ بلکہ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنے اختیار و ارادہ سے کرتے ہیں،
اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی و ابدی سے پہلے ہی جان لیا اور اسے محفوظ فرما دیا۔
یہی محفوظ علم، تقدیر الٰہی کہلاتا ہے۔
یہ ہرگز اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ بندہ مجبور

ہو یا اس سے زبردستی عمل کرایا جائے۔
بلکہ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے اور اس نے بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے۔
اگر اللہ تعالیٰ کو ہدایتِ بندہ عزیز نہ ہوتی،
تو سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وہ پاکیزہ خون، جو ہر قطرہ انسانیت کی رہنمائی کا چراغ ہے، بازارِ طائف میں ہماری ہدایت کے لیے نہ بہایا جاتا۔
اللہ تعالیٰ خود قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:
سورۃ الاحزاب، آیت 43:
"وہی ہے جو تم پر رحمتیں بھیجتا ہے، اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے، اور وہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے۔"
فرض کریں ایک استاد کو اپنے طالب علموں کی صلاحیتوں کا مکمل اندازہ ہے۔
وہ جانتا ہے کہ کون طالب علم محنت کرے گا اور کامیاب ہو گا،
اور کون سستی کرے گا اور ناکام ہو جائے گا۔
امتحان سے پہلے وہ اپنی ڈائری میں دونوں کے ممکنہ نتائج لکھ دیتا ہے۔
جب نتیجہ آتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو لکھا گیا تھا،

تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ استاد نے ان طالب علموں کو مجبور کیا تھا؟
ہرگز نہیں!
استاد نے صرف اپنے علم کی بنیاد پر نتیجہ پہلے سے جانا،
مگر عمل تو طالب علموں نے اپنے اختیار سے کیا۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم کامل و محیط ہے۔
اس نے ہمارے اعمال کو ازل سے جانا اور محفوظ فرمایا،
لیکن ہمارے اعمال ہماری مرضی اور اختیار سے انجام پاتے ہیں۔

علم – عقل و معرفت کے درمیان فرق

دنیا میں تمام علوم، فلسفہ اور سائنس کی بنیاد عقل پر ہے۔ عقل کی رسائی صرف کثرت کے مظاہر تک ہے، کیونکہ عقل خود بھی کثرت کی دنیا میں مقید ہے۔ اسی لیے تمام دنیاوی علوم انسانی عقل کی حد تک محدود رہتے ہیں۔ مگر خالقِ کائنات وحدت اور احدیّت کی صورت ہے، جو کثرت سے مبرّا ہے۔ اس لیے اس کی معرفت عقل کے دائرے سے باہر ہے۔
عارفین کے علوم مشاہدۂ حق پر مبنی ہوتے ہیں۔ چونکہ عقل محدود ہے، اس لیے عام لوگ ان تعلیمات کو صرف ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جب لوگ اللہ اور دین کو صرف عقلی پیمانوں سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو تنگ نظری پیدا ہوتی ہے، جس سے فرقہ واریت، بحث و مباحثہ، اور دین کو دنیاوی فائدے کا ذریعہ بنانے کا رجحان پروان چڑھتا ہے۔

عقل، علم اور انانیت

عقل سے حاصل کردہ علم اگر قلب کی طہارت اور

نیت کے اخلاص سے خالی ہو، تو یہ علم انسان کے اندر انانیت پیدا کرتا ہے۔ یہی انانیت بندے اور ربّ کے درمیان سب سے بڑا پردہ بن جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک معروف حدیث میں آتا ہے:

"الْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰهِ الْأَكْبَرِ"

ترجمہ: علم اللہ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔

حضرت سلطان باھوؒ اور علم

حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں کہ علم دو قسم کے ہوتے ہیں:

1. علمِ معاملہ (ظاہری علم)
2. علمِ مکاشفہ (باطنی علم)

باطنی علم سے بندے کو معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور یہی حقیقی علم ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"الْعِلْمُ عِلْمَانِ، عِلْمُ الْمُعَامَلَةِ وَعِلْمُ الْمُكَاشِفَةِ"

علم دو قسم کے ہیں: علمِ معاملہ اور علمِ مکاشفہ۔ (شمس العارفین)

علمِ عارفیت اور علمِ عاریت

آپ نے علم کو مزید دو اقسام میں تقسیم کیا:

علمِ عارفیت:

جو بندے کو اللہ کی طرف لے جائے۔

علمِ عاریت:

جو بندے کو دنیا کی طرف لے جائے۔
"الدُّنْیَا مَنَامٌ وَعَیْشُھَا فِیهِ احتِلامٌ
دنیا خواب ہے، اور اس کی عیش و عشرت محض ایک خیال۔(احتلام)

علمِ ظاہر اور علمِ باطن
علمِ ظاہر:
فقہ، منطق، ظاہری احکام، جو مفید ہیں۔
علمِ باطن:
تصوف، معرفت، فقر – جو دل کو منور کرتے ہیں۔

علمِ ظاہر ابتدا ہے، علمِ باطن انتہا۔ دونوں کا اجتماع ہی حقیقی فقیر کی پہچان ہے۔
"علم مونسِ جان ہے۔ علم کے بغیر زہد شیطانیت ہے۔" (کلید التوحید کلاں)
علم، عمل اور اخلاص
علم اگر عمل سے خالی ہو تو بیکار ہے، اور عمل اگر اخلاص سے خالی ہو تو فریب ہے۔ فقیر کامل وہی ہے جو عمر بھر علم اور عمل سے وابستہ رہے:
"جو شخص عمر بھر علم اور عمل میں مصروف رہے وہی فقیر کامل ہے۔" (عقل بیدار)
باطنی و ظاہری کمال

اگر فقیر باطنی کمال کے ساتھ ساتھ ظاہری علم میں بھی کامل ہو تو اس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔
علم وہی ہے جو انسان کو اللہ کا قرب عطا کرے۔ صرف زبان کا علم کافی نہیں، دل کا نور بننا ضروری ہے۔ علمِ ظاہر اور علمِ باطن دونوں لازم ہیں، مگر علمِ باطن ہی حقیقت تک رسائی کا ذریعہ ہے۔

ریا کاری

ریا کاری (دکھاوا) کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کو اس نیت سے کرنا کہ لوگ دیکھیں اور تعریف کریں، بجائے اس کے کہ وہ عمل خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہو.
اللہ تعالیٰ کے ہاں عبادت کا مقصد قرب و معرفتِ الٰہی کا حصول ہے تاکہ بندہ اللہ کو راضی کرے اور اس کا قرب پا لے۔ جب عبادت یا نیکی کے عمل میں لوگوں کو خوش کرنے یا شہرت پانے کی نیت شامل ہو جائے، تو وہ عمل ریا کاری بن جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں مردود ہو جاتا ہے۔

فرمان سخی سلطان چراغ شاہ بخآری
عارفینِ حق کے نزدیک ریا کاری بہت بڑا گناہ اور راہِ حق میں پردہ (حجاب) ہے، بلکہ بعض اہل معرفت کے نزدیک یہ شرک کے قریب ہے۔ اگر نیت میں اخلاص نہ ہو اور دل میں یہ خیال ہو کہ "لوگ مجھے نیک اور پرہیزگار سمجھیں"، تو ایسی نیت سے کیا گیا عمل اللہ سے قرب نہیں دلاتا بلکہ دوری کا سبب بنتا ہے۔

شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار راہِ حق کے سالکین کو گمراہ کرنے کے لیے ریا کاری ہے۔ بڑے بڑے عبادت گزار، زاہد، اور عابد اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ مرض دل میں پیدا ہوتا ہے اور نفس اس کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ اگر یہ مرض مستقل ہو جائے تو انسان اپنے روحانی نور سے محروم ہو جاتا ہے، اور اہلِ مشاہدہ اس تاریکی کو پہچان لیتے ہیں۔

عین الفقر سے اقتباس:
"علم دو طرح کا ہے:

اول: علمِ رحمانی،
جو اہلِ اطاعت اور ترکِ دنیا کرنے والوں کے لیے ہے۔
دوم: علمِ شیطانی،
جو اہلِ بدعت کے لیے ہے، اور اس میں حبِ دنیا، حرص، حسد، اور کبر شامل ہیں۔"

"علما روزی روٹی کے انتظار میں رہتے ہیں، جبکہ فقیر دنیا اور اہلِ دنیا سے بیزار رہتا ہے۔
آپؒ فرماتے ہیں کہ:
"ریاضتِ عام محض ریا کاری ہے،

جسے بعض لوگ اپنی خواہشاتِ نفس، رجوعاتِ خلق، شہرت اور عزت کے لیے اختیار کرتے ہیں۔"
قرآن مجید نے ایسے لوگوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے:
"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ٱلَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ"
"تو ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں، جو دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔"
(سورۃ الماعون: 4–6)

اسی طرح فرمایا:
"يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ"
"وہ صرف اللہ کا چہرہ (رضا) چاہتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔"
(سورۃ الروم: 38)
ریا کاری اعمال کو ضائع کر دیتی ہے، چاہے وہ نماز ہو، روزہ ہو، یا صدقہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں:
"يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَـٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ"

"اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر ضائع نہ کرو، جیسے وہ شخص جو لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یومِ آخرت پر۔"
(سورۃ البقرہ: 264)

حضور مرشد کریم فرماتے ہیں
ریا کاری راہِ فقر کا سب سے بڑا پردہ اور رکاوٹ ہے۔ جب بندہ اخلاصِ نیت سے خالی ہوتا ہے تو وہ اللہ کے قریب نہیں ہو سکتا۔ عارفین فرماتے ہیں کہ ریا کا سب سے بڑا مرکز "نفس" ہے اور شیطان اسے سب سے زیادہ استعمال کرتا ہے۔

جب انسان ریا کا شکار ہو جاتا ہے تو:
اس کی عبادات میں نور باقی نہیں رہتا۔
اس کی نیت بدل جاتی ہے۔
اس کے عمل بے روح ہو جاتے ہیں۔
اور سب سے بڑھ کر، راہِ حق کی طلب ختم ہو جاتی ہے۔

توکل - فقر کی بنیاد

توکل کا مفہوم ہے اللہ پر کامل بھروسا۔ جو شخص اللہ سے سچا عشق رکھتا ہے، وہ اپنا ہر کام، ہر معاملہ، حتیٰ کہ اپنی ذات کو بھی اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ فقر کی بنیاد بھی توکل ہے اور کامل مرشد کا پہلا سبق یہی ہوتا ہے۔ جو بندہ حق کا طالب ہو، اس کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ اللہ پر متوکل ہوتا ہے۔
قرآن مجید میں توکل کی اہمیت پر بار بار زور دیا گیا ہے:
فَإِن كُنتُمْ آمَنتُم بِٱللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ
(سورة یونس: 84)
ترجمہ:
اگر تم اللہ پر ایمان لا چکے ہو تو اسی پر بھروسا کرو، اگر تم واقعی مسلمان ہو۔
فَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ
(سورة النمل: 79)
ترجمہ:
پس تو اللہ ہی پر توکل کر۔

إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ
(سورۃ آل عمران: 159)
ترجمہ:
بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
إِن يَنصُرْكُمُ ٱللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا ٱلَّذِى يَنصُرُكُم مِّنۢ بَعْدِهِۦ ۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ
(سورۃ آل عمران: 160)
ترجمہ:
اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔
وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ
(سورۃ المائدہ: 23)
ترجمہ:
اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ
(سورۃ الطلاق: 3)

ترجمہ:
اور اللہ اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔ اور جو اللہ پر توکل کرے، وہ اس کے لیے کافی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں توکل
حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:
"اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسے توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے، جو صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔"
(ابن ماجہ: 4164، ترمذی: 2344)
حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
"رزق بندے کو اس طرح تلاش کرتا ہے جیسے موت اسے تلاش کرتی ہے۔"

توکل کی برکتیں اور اولیائے کرام کی تعلیمات

متوکل شخص کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق

عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔
شیطان متوکل افراد پر اثرانداز نہیں ہو سکتا
کیونکہ وہ ہر کام میں اللہ پر بھروسا کرتے ہیں۔

تمام انبیاء اور اولیاء اللہ پر توکل کرنے والے ہوتے
ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جب آگ میں
ڈالا جا رہا تھا تو حضرت جبرائیلؑ مدد کے لیے
حاضر ہوئے، مگر آپ نے فرمایا:
"حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ"
یعنی "اللہ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز
ہے۔
حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:
"توکل اس کا نام ہے کہ ملک کے تمام خزانے فقیر
کے قبضے میں ہوں لیکن وہ خود ان سے بے نیاز
ہو، اور صرف مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔"
(عقل بیدار)
آپ کے نزدیک توکّل ہی فقر کی اصل بنیاد ہے۔ جو
شخص متوکل نہیں، وہ راہِ فقر پر قدم بھی نہیں
رکھ سکتا۔
توکل کرنے والا شخص "مردِ حق" ہوتا ہے۔

تلّہ بنھ توکّل والا ہومردانے ترئیے ہو

استقامت – راہِ حق پر ثابت قدمی

❖ قرآن کی روشنی میں استقامت:
اللہ تعالیٰ نے استقامت کو اہلِ ایمان کی بنیادی صفت اور کامیابی کی کنجی قرار دیا ہے:
فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ
پس آپ ثابت قدم رہیے جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور وہ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کریں۔"
(سورۃ ہود، 11:112)

مزید فرمایا:
إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ
"یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا: ہمارا ربّ اللہ ہے، پھر اس پر ڈٹ گئے، اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں..."
(سورۃ فصلت، 41:30)

یعنی جنہوں نے اللہ کو ربّ مان کر اس پر قائم رہنے کی عملی جدوجہد کی، اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انہیں دنیا و آخرت میں خوف اور غم سے نجات کی بشارت دیتے ہیں۔

❖ حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں استقامت:
ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:
"مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتائیے کہ پھر مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔"
آپ ﷺ نے فرمایا:

"قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ"
"کہہ دے کہ میں اللّٰہ پر ایمان لایا، پھر اس پر قائم رہو۔"
(صحیح مسلم، حدیث 38)
یعنی صرف زبان سے اقرار کافی نہیں بلکہ ایمان کے مطابق عمل کرتے ہوئے استقامت اختیار کرنا اصل کمال ہے۔
حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں:
"علم، ذکر، مشق، عبادت، ریاضت سب کچھ بے فائدہ ہے اگر استقامت نہ ہو۔ استقامت ہی بندے کو فقر کی حقیقت تک پہنچاتی ہے۔"
(عین الفقر)

آپ مزید فرماتے ہیں:
"فقر استقامت سے مشروط ہے، اور جو فقیر استقامت پر قائم نہ رہے، وہ راہِ فقر میں گم ہو جاتا ہے۔"
(کلید التوحید کلاں)
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔"
(فتوح الغیب)
یہ اس لیے کیونکہ کرامت وقتی ہے، مگر استقامت دائمی قربِ الٰہی کی دلیل ہے۔

مرشد کریمؒ سخی سلطان چراغ شاہؒ
فرماتے ہیں
خواہ حالات جیسے بھی ہوں، اللہ پر ایمان، اس کے احکام، اور رسول ﷺ کی سنت پر ڈٹ جانا۔
نماز، روزہ، تلاوت، ذکر اور اطاعت میں کسی حال میں کمی نہ آنا۔
دکھ، بیماری، فقر، اللہ پر توکل اور تسلیم و رضا۔
مرشد کی تعلیمات، ذکر و تصور اسم اللہ ذات پر ہمیشگی، یہی روحانی استقامت ہے۔

استقامت دراصل وہ روحانی مرتبہ ہے جو بندے
کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول بنا دیتا ہے۔
یہ صرف الفاظ یا دعوے سے نہیں بلکہ عملی
جدوجہد اور تسلسل کے ساتھ اللہ کی راہ پر چلنے
سے حاصل ہوتا ہے۔ استقامت کا نور جب دل میں
اترتا ہے تو بندہ دنیاوی خواہشات سے آزاد ہو کر
اللہ کی رضا کا طالب بن جاتا ہے، اور یہی اصل
کامیابی ہے۔

مرشدِ کامل دی صحبت، اللہ دے ذکر وچ دوام، تے
راہِ حق وچ ثابت قدمی اوہ استقامت اے جیہڑی
بندے نوں اللہ دے قرب ول لے جاندی اے۔ ایہہ راہ
مشکل ضرور اے، پر جے مرشد کریمؒ دا فیض نال
ہووے، تے ہر کٹھنائی رحمت بن جاندی اے۔

(شیخِ کریم سید چراغ شاہؒ دی استقامت، کرم، تے
نرالی شان نوں خراج)

عقلِ سلیم

"گفت پیغمبرؐ که احمق هر که هست،
او عدو ما و غول رهزن است"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو احمق ہے، وہ ہمارا دشمن ہے اور ابلیس کا ساتھی۔

هر که اُو عاقل نبود اُو جان باخت،
روح اُو و روج اُو بےجان است

جو شخص عاقل نہ ہو، وہ مردہ ہے؛ اس کی روح بے جان ہے۔

آفت مرغ ست چشم کام بیں
مخلص مرغ ست منتقل دام بیں

مرغ کی آفت اس کی لالچی آنکھ ہے، اور اس کی خلاصی عقل ہے جو جال کو پہچان لے۔

عقل خود زیں فکر با آگاہ نیست
درد ما جز غم اللہ نیست

کامل عقل وہ ہے جو بے مقصد فکر سے آزاد ہو، اور صرف اللہ کا غم رکھے۔

أو خنک آنکس که متقاش نر بود
نفس زشتش ماده و خطه بود

مبارک ہے وہ شخص جس کی عقل مرد ہو، اور اس کا بد نفس مغلوب عورت کی مانند ہو۔

بہت عقلی بیچو قرص آفتاب
جہت عقلی کمتر از ذره شہاب

بعض عقل آفتاب کی طرح روشن ہے، بعض شہاب کے ذرہ سے بھی کمزور۔

عقل خود با عقل یارے یار کن
امر ہم شوزی بخوان و کارکن

اپنی عقل کو کامل عقل والوں سے مشورہ میں دو، اور شوریٰ کے مطابق عمل کرو۔

چشم غزہ شد بخضرائے من زاں
آنکھ تو غلاظت کی سبزیاں پسند کرے، مگر عقل
کہتی ہے: میری کسوٹی سے پرکھو!

📚 خلاصہ بصیرت:
معصیت کی عادت انسان کو شیطان سے بھی بدتر
بنا دیتی ہے۔
گناہوں کا راستہ اپنانے والا ہر لمحہ لعنت کا
مستحق بنتا ہے۔
عقل انسان کو جالوں سے نکالنے والا چراغ ہے۔
احمق انسان روحانی زندگی سے خالی اور
شیطانی وساوس کا گھر ہوتا ہے۔
اصل عقل وہ ہے جو دنیاوی حریص آنکھ کی
بجائے رب کی رضا کو دیکھے۔
عقل کو تابع شَیخ رکھنا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

اجتناب از معصیت

اللہ کی نافرمانی اور گناہوں میں پڑنا صرف ظاہری جرم نہیں، بلکہ باطنی زوال کا سبب بھی ہے۔ صوفیائے کرامؒ اور اولیائے کاملینؒ نے ہمیشہ بندے کو گناہوں سے بچنے، توبہ کرنے، اور شیطان کے مکروفریب سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔ ذیل میں حضرت مولانا رومؒ کے اشعار اور اُن کی روحانی تشریحات دی جا رہی ہیں جو گناہ سے اجتناب کی اہمیت اور اس کے اثرات پر روشنی ڈالتی ہیں۔

به که اُو عصیاں کند شیطان شود
کُو حسود دولت نیکاں شود

جو نافرمانی کرتا ہے، وہ شیطان کے راستے پر چل پڑتا ہے، کیونکہ شیطان نیک لوگوں کی دولت (روحانی مرتبہ) کا حاسد ہوتا ہے۔
گناہ محض فعل نہیں، بلکہ ایک رویہ ہے جو بندے کو حسد، بغض، اور سرکشی جیسے شیطانی اوصاف کی طرف لے جاتا ہے۔

دیو سوئے آدمی شد بهر شد
سوئے تو ناید که از دیوی تبر

شیطان انسان کی طرف فتنہ و فریب کے لیے آتا ہے، مگر وہ تیرے قریب بھی نہیں آتا، کیونکہ تو اس سے بھی بدتر بن چکا ہے۔
جب انسان گناہوں میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو شیطان اسے اپنی رعیت سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔
یہ حالت سب سے بدترین زوال کی علامت ہے۔

چوں شدی در خوی دیوی استوار
می‌گریزد از تو دیو نابکار

جب تُو شیطان کی بُری خصلتوں میں پختہ ہو جائے تو وہ بدبخت شیطان تجھ سے بھاگ جاتا ہے۔
جب انسان خود ہی شیطانی اوصاف میں استاد بن جائے، تو شیطان اسے چھوڑ کر دوسرا شکار ڈھونڈتا ہے۔ انسان کو اپنے نفس کا مجاہدہ کرنا لازم ہے۔

هر که او بنهاد نا خوش سنتے
او نفری رود هر ساعتے

جس نے کسی بُری رسم یا گناہ کو رائج کیا، ہر لمحے اس پر لعنت نازل ہوتی ہے۔
گناہ صرف ذاتی جرم نہیں بلکہ اس کا معاشرتی اثر بھی ہے۔ جو گناہ کو پھیلانے کا سبب بنتا ہے، وہ دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

نیکوان رفتند و سنتها بماند
و ز لیتیمان ظلم و لعنتها بماند

نیک لوگ چلے گئے، ان کی سنتیں باقی رہ گئیں؛ بد لوگ بھی چلے گئے، مگر ان کے ظلم و لعنت باقی رہ گئے۔
زندگی کے بعد بھی انسان کے اعمال اُس کے پیچھے باقی رہتے ہیں۔ اچھے لوگ نیکی کا ورثہ چھوڑتے ہیں، جبکہ بُرے لوگ لعنت کا۔

آنچه بر تو آید از ظلمات غم
آن ز بیباکی و گستاخی است هم

جو تیرے اوپر غم کی تاریکیاں نازل ہوتی ہیں، وہ تیری بےباکی اور گستاخی کا نتیجہ ہیں۔
گناہوں پر نادم نہ ہونا، بےخوفی سے گناہ کرتے رہنا، بالآخر قلبی غم، بےچینی، اور محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔

هر که گستاخی نمند اندر طریق
باشد اندر وادی حیرت غریق

جو بندہ راہِ خدا میں گستاخی کرتا ہے، وہ وادی حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔
اصرار علی المعصیت (گناہ پر ڈٹے رہنا) ہدایت کے نور سے محرومی کا باعث بنتا ہے۔ انسان پھر صحیح اور غلط میں تمیز کھو بیٹھتا ہے۔

چونکه بدگردی تبرس امین مباش
زانکه تخم است بر یاند خداش

جب تُو گناہ کرے تو بےخوف نہ ہو، ڈرتا رہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کے بیج کو سزا میں اگا سکتا ہے۔
گناہ کے بعد توبہ و استغفار لازم ہے۔ اللہ کی گرفت

عدل کے ساتھ ہے، جو وقت آنے پر ظاہر ہو سکتی ہے۔

بارہا پوشد اپنے اظہار فضل
بازگیرد از پئے اظہار عدل

اللہ بار بار اپنے فضل سے چھپا لیتے ہیں، مگر جب بندہ حد سے بڑھ جائے تو عدل سے پکڑ بھی فرماتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے، مگر عدل بھی اُس کی صفت ہے۔ بندے کو ہر وقت عاجزی اور ڈر کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔

تا که این هر دو صفت ظاهر شود
آن بشارت گردد و این در شود

تاکہ اللہ کی دونوں صفات ظاہر ہوں؛ ایک بشارت (رحمت) دے، اور دوسری ڈر (عدل) دلائے۔
اللہ کی رحمت امید دلاتی ہے، جبکہ اُس کا عدل خوف پیدا کرتا ہے۔ مومن کے دل میں دونوں کا توازن ضروری ہے۔

یہ تمام اشعار ہمیں بتاتے ہیں کہ گناہوں سے
اجتناب نہ صرف بندے کی نجات کا ذریعہ ہے بلکہ
اس کے باطن کو روشن کرتا ہے۔ مرشد کاملؒ کی
تعلیم بھی یہی ہے کہ گناہ کے بعد فوراً توبہ، اور
آئندہ اس سے بچنے کا پکا ارادہ ہو۔

محبت و عشق

یہ باب عشقِ حقیقی، فنا فی اللہ، معرفت، مجاہدہ اور طریقت کی ان روحانی منازل پر مشتمل ہے جنہیں اہلِ دل نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔ ہر شعر کے ساتھ اس کی تشریح، روحانی مفہوم، مرشد کاملؒ سخی سلطان چراغ شاہؒ کی تعلیمات کا نچوڑ ھے۔

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
به خوشنوی شاه فرد خویش

ترجمہ:
میں اپنے رنج و درد پر بھی عاشق ہوں، کیونکہ یہ صبر و تسلیم صرف اپنے شاہِ حقیقی کو راضی کرنے کے لیے ہے۔
محبتِ الٰہی میں عاشق کو اپنے دکھ سکھ ایک جیسے محسوس ہوتے ہیں، کیونکہ ہر حال کو وہ محبوب کی رضا پر قربان کر چکا ہوتا ہے۔

ناخوش او خوش بود بر جان من
جاں خدائے ما و دل رنجان من

ترجمہ:
اس کا ناخوش ہونا بھی میری جان کے لیے خوشی ہے، میری جان و دل اسی ربّ کے لیے وقف ہیں۔
سچا عاشق اپنے محبوب کی رضا پر راضی ہوتا ہے، چاہے وہ ظاہراً سختی کرے یا نرمی، اس کے لیے سب محبوب کی طرف سے انعام ہے۔

از محبت تلخ‌ها شیریں شود
از محبت مس‌ها زریں شود

ترجمہ:
محبت سے تلخیاں میٹھا ذائقہ اختیار کر لیتی ہیں، اور مس (تانبہ) سونا بن جاتا ہے۔
اللہ کی محبت دل میں جاگزیں ہو جائے تو اطاعتِ الٰہی سہل، اور گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

از محبت نار نوری می‌شود
از محبت دیو حوری می‌شود

ترجمہ:
محبت سے آگ نور میں بدل جاتی ہے، اور دیو جیسی صفات والے انسان بھی نورانی بن جاتے

ہیں۔
محبت الٰہی سے شہوانی خواہشات مغلوب ہو کر نورِ تقویٰ میں بدل جاتی ہیں، اور ہر مجاہدہ لذتِ باطن بن جاتا ہے۔

عشق آں شعلہ‌ست کُو چوں بر فروخت
هر چه جز معشوق باشد جمله سوخت

ترجمہ:
عشق ایسا شعلہ ہے کہ جب بھڑک اُٹھتا ہے، تو معشوق کے سوا ہر غیر کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔
عشقِ حقیقی دل میں آ جائے تو دنیاوی تعلقات، لذات، اور علائق محض پردہ بن کر رہ جاتے ہیں، اور دل میں صرف معشوق باقی رہتا ہے۔

عشق چُو شد بچه را مانند دیگ
عشق ساید کُوه را مانند ریگ

ترجمہ:
جب عشق آ جاتا ہے تو سمندر دیگ کی طرح جوش مارنے لگتا ہے، اور پہاڑ ریت کی طرح نرم ہو جاتے ہیں

عشقِ حقیقی میں راہِ حق کی تمام رکاوٹیں آسان ہو جاتی ہیں، اور انسان ہر مجاہدہ کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

تیغِ "لا" در قتلِ غیر حق برآند
در نگر زاں پس که بعد "لا" چه ماند

ترجمہ:
"لَا إِلٰہ" کی تلوار سے غیرِ حق کو قتل کر دے، پھر دیکھ کہ اس "لَا" کے بعد صرف "إلا اللّٰہ" ہی باقی رہ جائے گا۔
یہی وہ مقامِ توحید ہے جہاں دل سے ہر غیر نکل جاتا ہے، اور فقط اللّٰہ باقی رہتا ہے۔

عشق و ناموس کے برادر راست نیست
بر درِ ناموس آے عاشق مایست

ترجمہ:
عشق اور ناموس (جاہ و عزت کی طلب) ساتھ نہیں رہ سکتے، اس لیے اگر عاشق ھے تو ناموس کے دروازے پر کھڑا نہ ہو۔
سچا عاشق اپنی عزت و ذلت کو محبوب کے ہاتھ

میں دے دیتا ہے، وہ لوگوں کی پروا نہیں کرتا۔

شاد باش ای عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتھائے ما

ترجمہ:
اے عشق! تو خوش رہے کہ تو ہماری خوش نصیبی ہے، اور ہماری تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے۔

عاشقی پیداست از زاری دل
نیست بیماری چو بیماری دل

ترجمہ:
عاشقی دل کی گریہ و زاری سے ظاہر ہوتی ہے، اور دل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں۔

نوٹ:
ہمارے مرشدِ کریم رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے وقت اکثر یہ شعر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ہر کجا شمعِ بلا افروختند
صد ہزاراں جانِ عاشق سوختند

ترجمہ:
جہاں کہیں محبوبِ حقیقی نے امتحانِ عشق کا چراغ جلایا، وہاں ہزاروں عاشقوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

عشق از اول چرا خونی بود
تا گریزد به که بیرونی بود

ترجمہ:
عشق ابتدا میں خونی لگتا ہے تاکہ غیر مخلص افراد دربارِ عشق میں داخل نہ ہوں۔

آں طرف که عشق می‌افزاید درد
بوحنیفه شافعی درس نه کرد

ترجمہ:
وہ راہ جس میں عشق درد بڑھاتا ہے، اس راہ کی تعلیم امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ نے نہیں دی۔ ان عظیم ہستیوں سے فقہِ ظاہری کا کام لیا گیا، اور فقہِ باطن یعنی طریقت کے لیے اللہ نے صوفیاء کو چُنا۔

فقہِ ظاہری کے چار امام:
1. امام ابو حنیفہؒ
2. امام شافعیؒ
3. امام مالکؒ
4. امام احمد بن حنبلؒ

فقہِ باطنی کے چار امام:
1. حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
2. حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ
3. حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
4. حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ

عاشقاں اشد مدرس سن دوست
دفتر درس همه شاں شته اوست

ترجمہ:
عاشقوں کا مدرسہ حسنِ محبوب ہوتا ہے، اور ان کا درس و دفتر محبوب کا چہرہ ہوتا ہے۔

هر چه گُویم عشق را شرح و بیاں
چُو عشق آید من خجل باشم از آں

ترجمہ:

میں عشق کی شرح جتنا بھی بیان کروں، جب عشق آتا ہے تو میں شرمندہ ہو جاتا ہوں۔

شرحِ عشق از من بگویم بر دوام
صد قیامت بگذرد، وآں ناتمام

ترجمہ:

اگر میں عشق کی شرح مسلسل کرتا رہوں، تو صد قیامتیں بھی گزر جائیں، مگر شرح مکمل نہ ہو۔

در نَگُنجد عشق در گفت و شنید
عشق دریا نیست، قعرش ناپدید

ترجمہ:

عشق گفت و شنید میں نہیں سما سکتا، وہ ایک ایسا دریا ہے جس کی گہرائی کا کوئی پتہ نہیں۔

عقل در شرحش چُو خر در گل بخفت
شرح عشق و عاشقی بہ عشق گفت

عقل عشق کی شرح میں اس طرح عاجز آ جاتی ہے جیسے گدھا کیچڑ میں پھنس جائے، اور پھر عشق خود اپنی شرح کرتا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلت باید، از وے رُو متاب

ترجمہ:
آفتاب کا طلوع ہونا خود اس کی دلیل ہے، اگر دلیل چاہیے تو اس کی طرف سے منہ نہ موڑ۔
آفتاب مرشد کامل کی طرف اشارہ ھے

جرعه خاک آلود چون مجنوں کند
صاف گر باشد، ندانم چوں کند

ترجمہ:
اگر مجنوں کو خاک آلودہ پیالہ اتنا بے خود کر دے، تو اگر خالص ہو تو کیا حال کرے گا؟

عشق می‌گوید: کوش،م پست پست
صید بودن بہتر از صیادے ست

ترجمہ:
عشق کہتا ہے: "میرے آگے پست ہو جا، شکار بن جا، شکاری نہ بن"۔

بردیم ساکن شود بے خانہ باش
دعوٰی شمعی مکُن، پروانہ باش

ترجمہ:
اگر کچھ پانا ہے تو بے گھر ہو جا، شمع بننے کا دعوٰیٰ نہ کر، پروانہ بن جا۔

دل چاہتا ہے در پہ کسی کے پڑا رہوں
زیر بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

تشریح:
یہی عاشق کا مقام ہے، کہ وہ محبوب کے در پر پڑا رہے، کسی اور چیز کی پروا نہ کرے۔

📖 باب: اخلاقِ حسنہ – اصل انسانیت کی پہچان

تمہید:
انسانی کردار کی بلندی، سیرت کی روشنی، اور معاشرتی حسن کا سب سے حسین پہلو اخلاقِ حسنہ ہے۔ یہی وہ صفت ہے جو انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے اور بندے کو بندگی کے مرتبے تک پہنچاتی ہے۔ اس باب میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار اور صوفیانہ تعلیمات کی روشنی میں ہم جانیں گے کہ اخلاق حسنہ کا مقام کیا ہے، اس کا اثر دشمنی کو دوستی میں کیسے بدلتا ہے، اور ایک نیک خو انسان کیسے جنت کی مانند ہو جاتا ہے۔

🌷 اشعار و تشریحات:

1. دشمن کے ساتھ احسان کرنا:

ور عدو باشد ہمی احسان نکوست
کہ با احسان بس عدو گشتست دوست"

دشمن بھی ہو، تو اس سے احسان کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ بہت سے دشمن صرف حسنِ سلوک کی وجہ سے دوست بن گئے۔

2. احسان کینہ کا علاج ہے:

در نہ گردد دوست، کمینش کم شود
زانکہ احساں کینہ را مرہم شود"

اگر دشمن دوست نہ بنے، تو بھی اس کا کینہ (نفرت) کم ضرور ہو جاتا ہے، کیونکہ احسان دل کے زخموں پر مرہم کا اثر کرتا ہے۔

3. ظاہر نہیں، باطن دیکھو:

در بود صورت حقیر و ناپذیر
چو بود خلقش نکو، در پاش میر"

اگر کسی کی شکل و صورت معمولی ہو، لیکن اخلاق اچھے ہوں تو اُس کی دوستی کو ہمیشہ قائم رکھو۔

صورتش دیدی، ز معنی غافلی
از صدف در را گزیں گر عاقلی"

اگر تم نے صرف ظاہری صورت دیکھی اور اس کی سیرت کو نہ پہچانا، تو یہ عقلمندی نہیں۔ عقل مند وہ ہے جو صدف (سیپ) میں چھپے موتی کو پہچانتا ہے۔

4. اخلاق ہی انسانیت ہے:

خلق نیکو وصف انسانی بود
آدمی با خلق بد حیواں شود"

اچھے اخلاق ہی انسانیت کی علامت ہیں۔ بد اخلاق انسان درحقیقت جانور کی مانند ہو جاتا ہے۔

5. نیک خو انسان جنت کی مانند:

چوں شود اخلاق و اوصاف نکو
ہشت جنت خود توئی اے نیک خو"

جب انسان کے اخلاق و صفات اچھے ہو جائیں، تو وہ خود جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں بھی راحت کا باعث ہوتا ہے۔

6. بد اخلاقی اور عذاب:

گر گرفتار صفات بد شدی
ہم تو دوزخ، ہم عذاب سرمدی"

اگر تو برے اخلاق اور بداعمال میں مبتلا رہا، اور کسی شیخِ کامل سے تربیت نہ لی، تو دنیا ہی میں تیری زندگی جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔

7. اچھے اخلاق والے کے دل میں اللہ کے راز:

ہر کہ دارد در جہاں خلق نکو
مخزن اسرار حق شد جان اُو"

جس شخص کے اخلاق اچھے ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کا خزانہ بن جاتا ہے۔ اس کی روح معرفتِ الٰہی کی حامل ہوتی ہے۔

8. مولانا رومؒ کی گواہی:

آنچہ گفتم ہست از عین الیقین
نے ز استدلال و تقلید است ایں"

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ میں جو باتیں بیان کرتا ہوں، وہ عین الیقین (مشاہدہ اور تجربہ) کی بنیاد پر کرتا ہوں، نہ کہ محض عقل یا تقلید پر۔

🌟 حاصلِ کلام:
جب انسان ذکر، مجاہدہ اور شیخِ کاملؒ کی صحبت سے اپنے باطن کو صاف کر لیتا ہے، تو اسے دل کی آنکھ (بصیرت) سے حقائقِ غیبی کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ یہی مقام عین الیقین کہلاتا ہے۔ ایسا انسان دوسروں کے لیے راحت، امن، حسنِ اخلاق اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

⎵ خوف و رجا – اللہ سے ڈر اور اُس کی رحمت کی امید

تمہید:
اسلامی روحانیت میں دو بنیادی ستون "خوف" (اللہ کا ڈر) اور "رجا" (اللہ کی رحمت کی امید) ہیں۔ ایک طرف اللہ کے عدل کا ڈر ہے، جو انسان کو گناہوں سے روکتا ہے، تو دوسری طرف اُس کے فضل کی امید ہے، جو بندے کو گناہوں سے پلٹنے اور توبہ کی توفیق عطا کرتی ہے۔ اس باب میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کی روشنی میں یہ نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ انسان کو نہ تو گناہوں میں بے خوف ہونا چاہیے اور نہ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس۔

🌾 اشعار و تشریحات:

1. گناہ کر کے بے خوف نہ ہو:

"چونکہ بدکردی، بترس، ایمن مباش
زانکہ تخم ست و برویاند خداش"

اگر تو نے گناہ کیا ہے تو امن میں نہ رہ۔ کیونکہ گناہ ایک بیج کی مانند ہے، اور اللّٰہ تعالیٰ اس کا درخت اگا سکتا ہے۔ یعنی ہر گناہ کا انجام ہوتا ہے، اس سے پہلے توبہ کر لے۔

2. برائی کے بیج نہ بو:

"رازہا را می‌کند حق آشکار
چوں بخواہد رست، تخم بد مکار"

اللّٰہ تعالیٰ رازوں کو ظاہر کر دیتے ہیں، جب وہ چاہیں تو چھپے ہوئے گناہ بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس لیے برائی کا بیج ہی نہ بو، خواہ وہ چھپی ہوئی ہو۔

3. اللہ کی مہلت نرمی ہے:

"چند گاہے اُو بپوشاند کہ تا
آید آخر زاں پشیمانی ترا"

اللّٰہ تعالیٰ کئی بار گناہوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں

تاکہ تم شرمندہ ہو کر لوٹ آؤ۔ لیکن اگر ندامت نہ ہوئی، تو وہ پردہ اٹھ سکتا ہے۔

4. اللہ کا ڈر سکون لاتا ہے:

"ہر که ترسد مرد و ایمن کنند
مرد دل ترسنده را ساکن کنند"

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، وہی اصل مرد ہے۔
اور اللہ ایسے ڈرنے والوں کو سکون اور امن عطا فرماتا ہے۔

5. ناامیدی کفر ہے:

"انبیاء گفتند نومیدی بدست
فضل و رحمت‌هائے رب بس بے‌حدست"

تمام انبیاء علیہم السّلام نے فرمایا کہ نا امیدی گناہ بلکہ کفر کے قریب ہے، جبکہ اللہ کی رحمتیں بے شمار اور بے حد و حساب ہیں۔

6. اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو:

از چنین محسن نشاید نا امید
دست در فتراک این رحمت زنید"

ایسے محسنِ حقیقی (اللہ) سے مایوس نہ ہو، بلکہ اُس کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھام لے۔

7. اندھیروں کے پیچھے روشنی ہے:

بعد نومیدی بسے امید باست
از پس ظلمت، بسے خورشید ہاست"

مایوسی کے بعد کئی امیدیں ہیں، اور ہر تاریکی کے پیچھے کئی روشن سورج ہیں۔ اللہ کی رحمت کبھی ختم نہیں ہوتی۔

8. نا امیدی کی گردن اللہ نے اڑا دی:

نا امیدی را خدا گردن زدست
چون گنه مانند طاعت آمدست"

اللہ تعالیٰ نے نا امیدی کی گردن اڑا دی ہے، یعنی اُسے گناہ قرار دے دیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر گناہ نیکیوں کی طرح بہت زیادہ ہو جائیں، تب بھی امید کا دامن نہ چھوڑو۔

9. اللہ کریم ہے، معافی آسان ہے:

تو مگو ما را بداں شاہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست"

یہ نہ کہہ کہ ہم جیسے گناہگاروں کی اُس بادشاہ (اللہ) کے دربار میں جگہ نہیں، کیونکہ کریم ہستی کے لیے کسی چیز کو معاف کرنا دشوار نہیں۔

🌟 حاصلِ کلام:

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خوف بھی رکھو اور اُس کی رحمت سے امید بھی۔
گناہ کر کے بے خوف ہونا ہلاکت ہے۔
اور گناہ کر کے مایوس ہونا، اُس کی رحمت کی بے ادبی ہے۔

اصل کامیاب وہی ہے جو گناہ کے بعد فوراً توبہ کرے، رجوع کرے، اور پھر اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھتے ہوئے نیک اعمال میں مشغول ہو جائے۔

🌟 اختتامیہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم
تمام حمد و ثناء اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں زندگی دی، ہدایت دی، اور اپنے مقرب بندوں کی معرفت عطا فرمائی۔
یہ کتاب "فیضانِ چراغِ ہدایت" ایک عاجزانہ کوشش ہے کہ میرے مرشدِ کریم، سخی سلطان سید چراغ شاہ بخاریؒ کی تعلیمات، اخلاق، فیض اور روحانی پیغام کو عام کیا جائے۔
یہ تحریریں، یہ واقعات، یہ حقیقتیں میرے دل کی گواہی ہیں۔ یہ اُس چراغؒ کی لَو ہیں جس نے میری زندگی کو روشن کیا۔ میں کچھ نہیں، مگر میرے مرشد کریمؒ سب کچھ ہیں۔
اگر میری کوششوں سے ایک بھی دل اللہ کی طرف رجوع کرے، ایک بھی آنکھ آنسوؤں سے بھیگ جائے، ایک بھی زبان درود سے تر ہو جائے، تو یہی میری کامیابی ہے۔
کتاب مکمل ہوئی، مگر راستہ ابھی جاری ہے۔ یہ راستہ حق کا ہے، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا ہے، اور رضائے الٰہی کا ہے۔

میری زندگی کا مقصد یہی ہے کہ میرے مرشد کریمؒ کی تعلیمات ہر دل تک پہنچیں، ہر زبان پر اُن کا ذکر ہو، ہر نگاہ اُن کی محبت میں جھک جائے۔

اگر کہیں کمی یا غلطی ہو گئی ہو، تو وہ میری ناتجربہ کاری ہے، اور جو کچھ اچھا ہے، وہ میرے مرشد کریمؒ کا فیض اور اللہ کریم کا فضل ھے
اللہ ہم سب کو اپنے محبوب بندوں کے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔
آمین بجاہِ سیّد المُرسَلِین ﷺ

تمّت باالخیر وَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین

خاکپائے مرشد